تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ ۲۵ر فروری ۲۰۰۳ء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو خطاب کر کے فرمایا کہ میری امت پر وہ وقت آنے والا ہے جب دوسری امتیں اس پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کھانے والے لوگ دسترخوان پر ٹوٹتے ہیں۔ تو کسی کہنے والے نے کہا کہ جس زمانہ کا آپ حال بیان فرما رہے ہیں اس زمانہ میں کیا ہم مسلمان اتنی کم تعداد میں ہوں گے کہ ہم کو نگل لینے کے لئے قومیں متحد ہو کر ٹوٹ پڑیں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں اس زمانے میں تمہاری تعداد کم نہ ہوگی، بلکہ تم بہت بڑی تعداد میں ہوگے، لیکن تم سیلاب کی جھاگ کی طرح ہو جاؤ گے اور تمہارے دشمنوں کے سینہ سے تمہاری ہیبت نکل جائے گی، اور تمہارے دلوں میں پست ہمتی گھر کر لے گی۔ تو ایک آدمی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ پست ہمتی کس وجہ سے آجائے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ تم (آخرت سے محبت کرنے کے بجائے) دنیا سے محبت کرنے لگو گے اور (خدا کی راہ میں جان دینے کی آرزو کے بجائے) موت سے بھاگنے اور نفرت کرنے لگو گے۔

(ابوداؤد۔ حضرت ثوبانؓ)

(مسجد دار العلوم ندوۃ العلماء)

Rs.7/-

Regd. No- LW/NP/63

FEB . 2003

Fortnightly

Tameer-e-Hayat

Nadwatul Ulama, Lucknow-226 007

R.N.I. No- UP.URD/2001/6071

Vol.2, Issue No: 23

دنیائے علم وفن کا ایک شاہکار

طبی دنیا کی ایک اہم ضرورت

وصی میڈیکل ڈکشنری (انگریزی اردو)

(از: مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی)

جس میں علم طب کے ہر شعبہ سے متعلق امکانی لغات و مصطلحات (ترجمہ و تشریح کے ساتھ) بڑی عرق ریزی سے جمع کر دیے گئے ہیں۔

ملنے کے پتے: (۱) مکتبہ فردوس، ۔۔۔ علام محمد (پرائیویٹ) لمیٹڈ، ہارڈنگ پارک، لکھنؤ (۲) مکتبہ ندویہ، پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ ۷

رعایتی قیمت کے ساتھ دستیاب ہے۔

Ph: 2226657

FIT & CO.

Since:1916

SPECIALIST IN

Suits & Sherwani

Near:- Sardar Sons,

At:Nazirabad, LUCKNOW.

Ph. Nos 2260433- 2242946

جدید و دلکش سونے چاندی کے زیورات کے لئے

ہمارے شوروم میں

آپ کا خیر مقدم ہے

گہنہ پیلیس

Gahna Palace

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں محمد معروف خاں

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ

طلباء اور تاجران کتب کے لئے خاص رعایت

ہر قسم کے قرآن مجید مترجم، غیر مترجم، حمائل، قاعدے پارے، پنج سورے عربی، فارسی، اردو کی درسی غیر درسی نیز ہائی اسکول انٹر، جامعہ اردو علی گڑھ کی گائیڈ اور گیس پیپر وغیرہ بہترین اور مناسب قیمت میں ہم سے طلب کریں۔

نوٹ: آپ اپنی ضرورت کی کتب بذریعہ ڈاک بھی طلب کر سکتے ہیں۔

تاج

اسلامک جنتری دستیاب ہے

طلب کریں۔ قیمت ۔۔/۱۵

تاج بکڈپو، اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز

اعلیٰ کوالٹی۔ جدید ترین فیشن کے

Shirt, Trousers Coat Suits, Embroidered, Sherwanis, Pullowre, Jackets, Kurta, Vastecoat suit, Night suits& ties

شادی بیاہ، تیوہار اور پارٹی کے موقع کے لئے شاندار ذخیرہ

تشریف لائیں

MEN MARK®

Men's Exclusive

58, Halwasia Market.

Hazratganj, Lucknow

Ph.: Shop:216948 Resi.: 227443

صبا کا آملہ

بالوں کا بہترین محافظ

حسنی فارمیسی

چشمہ ساگر

ہمارے یہاں کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ کی جاتی ہے۔

AUTO REFRECTO METER AR-860

فوٹو کرائک ہوکوئیڈ لینس ہنڈ ہائی انڈیکس ریڑی لینس

فینس پاور اور دھوپ کے چشموں کا قابل اعتماد مرکز

ایک بار خدمت کا موقع دیں

آپٹیشین۔ اے۔ رحمٰن (علیگ)

تنگرجی کی مورتی کے نزدیک، معتبر گنج، اعظم گڑھ

Office Ph. No 2787250 (Ext.) 18, Guest House - 2323864 Fax No- 0522-2787310, 2788376

Printed And Published by *Athar Husain* on behalf of Nadwatul Ulama at Parekh Press Tagore Marge, Lucknow-U.P.

Editor : *Shamsul Haq Nadwi*

عالمِ اسلام کے قائدین کو فیصلہ کرنا ہے

کہ

مغرب کی کشکول گدائی مناسب ہے یا دنیا کی رہنمائی کا منصبِ عالی

مغربی تہذیب کو پورے طور پر گھن لگ چکا ہے، وہ اب محض اپنی صلاحیت اور زندگی کے استحقاق کی بنا پر نہیں جی رہی ہے بلکہ اس لئے کہ بدقسمتی سے کوئی دوسری تہذیب اس کی جگہ لینے کے لئے تیار نہیں، اس وقت جتنی تہذیبیں یا قیادتیں ہیں، یا تو مغربی تہذیب کی لکیر کی فقیر اور اس کی ایک روکھی پھیکی تصویر ہیں اور اتنی کمزور اور شکست خوردہ ہیں کہ اس سے آنکھیں نہیں ملا سکتیں، اب اگر اسلامی ممالک اور عالمِ اسلام مجموعی طور پر اس خلاء کو پُر کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکے جو مغربی تہذیب کے خاتمہ سے عالمِ انسانی میں پیدا ہوگا تو اس کو دنیا کی امامت کا دوبارہ منصب تفویض کیا جا سکتا ہے، جو سنت اللہ کے مطابق ایک جری وقوی اور تازہ دم ملّت یا قیادت کے سپرد کیا جاتا رہا ہے، اب ان قائدین کو یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ کیا مغرب کی دائمی حاشیہ برداری اور کشکول گدائی مناسب ہے، یا دنیا کی رہنمائی کا منصبِ عالی، اور عالمِ انسانی کی ہدایت کی مسندِ رفیع جس سے (نبوت کے بعد) بڑھ کر کوئی سرفرازی اور سربلندی نہیں میرے نزدیک یہی اس وقت مسلم ممالک کا سب سے بڑا حقیقی مسئلہ ہے اور اسی سوال کے جواب پر (کہ مغربی تہذیب کے بارے میں یہ ممالک کیا رویہ اختیار کرتے ہیں) اس بات کا انحصار ہے کہ دنیا کے نقشے میں ان قوموں کی نوعیت کیا قرار پاتی ہے، اور ان ملکوں میں اسلام کا کیا مستقبل ہے''۔

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ)

ماخوذ: ''مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش''

تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ اشاعت کے ۲۸ سال

جلد نمبر ۴۰ — شمارہ نمبر ۱

۲۵ فروری ۲۰۰۳ء مطابق ۲۳ ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نگران خصوصی:

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی

(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

(معتمد مال، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام: **مولانا شمس الحق ندوی**

رئیس التحریر: **امین الدین شجاع الدین**

معاون: **ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی**

معاون: **محمود حسن حسنی ندوی**

مجلس مشاورت

- مولانا نذر الحفیظ ندوی
- مولانا عبداللہ حسنی ندوی
- مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

زر تعاون

سالانہ -/۱۵۰ روپے — فی شمارہ -/۷

ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک -/۳۵ ڈالر

بیرونی ممالک بحری ڈاک -/۲۰ ڈالر

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayaat

Post Box. No- 93, Nadwatul Ulama Lucknow-226007

فون (دفتر) 2787250 (Ext) 18 مہمان خانہ (0522)2323864

Website : www.nadwatululama.org

E-mail : nadwa@sancharnet.in

thetameer-e-hayat@nadwatululama.org

مضامین ومندرجات سے متعلق سارے امور میں رئیس التحریر سے خط وکتابت کی جائے اور انتظامی امور میں مدیر عام سے رجوع کریں۔

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے پارکیا فیسیٹ پرنٹنگ پریس، ریکور مارگ لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

اس شمارے میں

قند مکرر		
☆اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں	مولانا محمد الحسنیؒ	۲
اداریہ		
☆ماحول سازی میں عملی نمونوں کا کردار اہم ہوتا ہے	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۳
عالمی منظر نامہ		
☆المحاسن والاضداد	حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی	۵
تعلیم الحدیث		
☆جذبۂ خیر خواہی	مولانا بلال عبدالحی حسنی	۶
چراغ راہ		
☆جوہر ذاتی کے سامنے زمانہ جھکتا ہے	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۷
فکر ابوالحسن علی ندویؒ		
☆تکبیر مسلسل (ایک مطالعہ)	پروفیسر وصی احمد صدیقی	۹
ملی مسائل		
☆عربی مدرسوں کے بارے میں کچھ سچی باتیں	مولانا عبدالکریم پاریکھ	۱۲
تاریخ کے دریچے سے		
☆حضرت ابوجانہ	مولانا سعید الرحمن الاعظمی ندوی	۱۶
شعر وسخن		
☆نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	امیر مینائی	۱۷
☆مجھے بھی جذبہ حسان عطا ہو یارب	قمر سنبھلی	۶
صہیونیت		
☆دسویں گائے جسے نکال لیا گیا ہے	مولانا سلمان الحسینی	۱۸
لمحۂ فکریہ		
☆مسلم دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ؟	یاسر خاں	۲۲
خصوصی گوشہ بیاد پروفیسر ضیاء الحسن ندوی		
☆مہک رہی ہے گلابوں سے اس کی یاد کی شام	ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی	۲۳
☆حسن اخلاق اور علم وادب کا متوازن نمونہ	پروفیسر شفیق احمد خان ندوی	۲۶
فقہ وفتاویٰ		
☆سوال وجواب	مفتی محمد طارق ندوی	۲۹
☆اخبار وافکار	مولانا محمود حسن حسنی ندوی	۳۰
آخری صفحہ		
اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر میں پرنس چارلس کی ایک تقریر	جناب عبدالعلیم قدوائی	۳۲

قندِ مکرر
تعمیرِ حیات کا ایک ورق
۴۰ برس پہلے

ایک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

مولانا محمد الحسنیؒ

آج کی دنیا میں جس چیز پر سب سے زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو بتایا جائے اور بار بار یاد دلایا جائے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کیسی عظیم اور عجیب و غریب صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں اور کیسے کیسے مقامات اور درجات اس کی زد اور دسترس میں ہیں اور اگر خدا کی توفیق شاملِ حال ہو اور وہ ایک دفعہ ہمت کر کے نفس کی بندش یا کشش سے آزاد ہو جائے تو کیسے کیسے عالم، کیسی کیسی لذتیں بلکہ کیسی کیسی جنتیں اس دنیا ہی میں اس کی منتظر ہیں **لھم البشریٰ فی الحیاۃ الدنیا و فی الآخرۃ** (ان کے لئے دنیا میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی)

اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک عارف اور حقیقت شناس نے فرمایا تھا "اگر بادشاہوں کو خبر لگ جائے کہ ہم لوگ کس مزے میں ہیں تو رشک و حسد سے تلواریں لے کر ہمارے مقابلہ پر آجائیں" اور اس میں ادنیٰ تعجب اور مبالغہ کی بات نہیں، جب صرف مادی وسائل کو ترقی دے کر آدمی ہوا میں چڑیوں کی طرح اڑ سکتا ہے اور پانی میں مچھلیوں کی طرح تیر سکتا ہے اور ستاروں پر کمند ڈال سکتا ہے اور جب ایک انسان محض اپنے جسم کو ترقی دے کر مشق و ریاضت بہم پہنچا کر اور خود اعتمادی اور خود شناسی کے ذریعہ جسمانی شعبہ میں حیرت انگیز کمالات دکھا سکتا ہے اور ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے تو کیا یہ انسان اپنے دل اور روح کی صلاحیتوں اور مخفی طاقتوں کو بروئے کار لا کر ان مقامات تک نہیں پہنچ سکتا جن کے سامنے یہ سارے دنیاوی کمالات اور مادی ترقیات و عجائبات بچوں کے کھیل یا مٹی کے گھروندوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

اس کو بتایا جائے کہ خدا شناسی و خود شناسی کی بدولت اور ایک ظلوم و جاہل انسان کہاں سے کہاں پہنچتا ہے، کس طرح مٹی سے سونا بنتا ہے، ذرہ سے آفتاب بنتا ہے کس طرح اس دنیا میں رہ کر دنیا سے بے نیاز ہوتا ہے؟ کس طرح اس دنیا میں جنت کے مزے لوٹتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنے دل پر خدا کی "نظرِ کرم" دیکھتا ہے اور اس کے انعامات، نوازشوں، بشارتوں اور خوشخبریوں سے خوش اور سرفراز ہوتا ہے۔

جو ہم دل پہ اس کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بہ از جامِ جم دیکھتے ہیں

کس طرح اس کی مخلوق کے لئے فیض و سخاوت کا سمندر بن جاتا ہے اور کس طرح اس کے انوار و برکات سے آشنا و بیگانہ، دوست و دشمن اور قریب و بعید اپنی اپنی استعداد اور ظرف اور توفیق الٰہی کے بقدر مستفید ہوتے ہیں اس کی ذات خلائق کے لئے مرکز و مرجع بن جاتی ہے اور اس کے اثرات زمانہ اور مسافت کے پردوں کو چیرتے ہوئے آنے والی نسلوں تک پہنچتے ہیں۔

کس طرح اس کی دعاؤں سے مصیبتیں ٹلتی ہیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں اور وہ ہمت و سکینت کی چادر بن کر پورے ماحول پر محیط ہو جاتا ہے، کس طرح اس کی محبت انسانوں کے دل میں ڈال دی جاتی ہے اور وہ کشاں کشاں اور افتاں و خیزاں اس کے پاس پہنچتے ہیں اور دیوانہ وار و بے قرار ہو کر اس کا ہاتھ تھامتے ہیں اور اس کے پیچھے چلنا اپنی سعادت جانتے ہیں اور اس کی ہر جنبش لب اور ہر نگاہ غلط انداز کو باعث افتخار اور سرمایۂ امتیاز سمجھتے ہیں اور زبانِ حال سے گویا ہوتے ہیں۔

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

کس طرح وہ چھپنا چاہتا ہے اور چھپ نہیں سکتا، دنیا سے منہ موڑتا ہے اور دنیا اس کے قدموں پر گرتی ہے، امراء و بادشاہوں سے دُور رہنا چاہتا ہے اور وہ اس کی تلاش میں پیچھے پیچھے گھومتے ہیں، کس طرح وہ خویش و اقارب اور خاندان و قبیلہ کی حدود کو پار کر کے پوری انسانیت کا سرمایہ، زمین کی زینت اور دنیا والوں کے لئے برکت بن جاتا ہے۔

ان کو بار بار اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے ان مادی وسائل، قلبی قوتوں اور ذہنی و عملی صلاحیتوں اور مخفی طاقتوں کو کچھ حصہ، نفس اور شکم کی پستی سے بلند ہونے، مادیت کے قفسِ زریں سے آزاد ہونے، اور اپنے ملک و آفاق کی طرف خلوصِ دل اور انابت و ندامت کے ساتھ متوجہ ہونے پر صرف کریں۔

وہ اپنے وقت کا کوئی ادنیٰ حصہ اپنے محاسبہ اور اپنی زندگی کے جائزے پر خرچ کریں، جو کمزوریاں ان کو نظر آئیں اس کو دور کرنے کی کوشش کریں، توفیق پر شکر ادا کریں، دل کے داغ دھبوں کو اپنے آنسوؤں سے غسل طہارت دیں کہ اس کے لئے کوئی دوسری چیز معتبر نہیں ہے۔

واستعینوا بالصبر والصلوۃ

صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو

کو اپنا اصول زندگی بنائیں۔ ان کو اپنی نفسیاتی خواہشات، جسمانی لذتوں اور مادی فائدوں کا تھوڑا بہت خون ضرور کرنا ہوگا، اپنے دل پر جبر بھی کرنا پڑے گا۔۔۔۔۔ کبھی اس کو سزا بھی دینی ہوگی کبھی سمجھا بجھا کر ہموار کرنا ہوگا۔ ترغیب اور ترہیب دونوں طریقے آزمانے ہوں گے۔

دل و دماغ اور نگاہ تینوں چیزوں کی پاسبانی اور نگرانی کرنی ہوگی، اس لئے کہ اگر یہ قابو میں آجائیں گے تو پھر اعضاء جوارح اور عمل و جسمانی شعبے بھی اس کے ماتحت ہو جائیں گے۔

یہ ضرور ہے کہ کچھ عرصہ اس مجاہدہ اور اس تربیت کے بعد آگے کا راستہ آسان ہو جاتا ہے خود اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (جو لوگ ہمارے راستہ میں کوشش کریں گے ہم ان کو اپنے راستوں کی طرف ضرور رہنمائی کریں گے)

لیکن یہ معاملہ زندگی بھر کا معاملہ ہے، زندگی بھر کی کشمکش، اور عمر بھر کی آزمائش ہے، اور اسی آزمائش و فتنہ پر اجر و ثواب کا دارومدار ہے۔

اتنی بات ضرور ہے کہ نیکی کے راستے پر بڑھنے کے بعد برائی کی قوتیں قدرتی طور پر کمزور پڑ جاتی ہیں اور بدی کے راستے پر آگے بڑھنے سے نیکی کی قوتیں خود بخود کمزور اور مضمحل ہونے لگتی ہیں لیکن یہ کشمکش مرتے دم تک باقی رہے گی اور کامیاب وہی سمجھا جائے گا جس کو اللہ تعالیٰ اس نازک وقت میں بھی فتنہ اور آزمائش سے بچانے اور اپنے مقربین اور "اصحاب یمین" میں شامل کرے۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
ایک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

❀❀❀❀❀

اداریہ

ماحول سازی میں عملی نمونوں کا کردار اہم ہوتا ہے

(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی

مسلمانوں کی سیرت و اخلاق کی صحیح تشکیل قرآن مجید اور حدیث نبوی کی تعلیمات کے ذریعہ ہوتی ہے، لہٰذا ان تعلیمات سے مسلمانوں کو جس قدر واقفیت ہوگی اسی قدر ان کی سیرت و اخلاق کی صحیح تشکیل میں مدد ملے گی، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ تعلیمات سے محض واقف ہونا کافی نہیں، ان تعلیمات کو زندگی میں عملاً جاری و ساری کرنے کی ضرورت اصل ضرورت ہے، اور اس ضرورت کو پورا کرنے میں سب سے اہم کردار عملی نمونوں کا ہوتا ہے، اور یہ بات ہم کو اسلام کے عہد اول میں خاص طور پر نمایاں نظر آتی ہے، آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسانی زندگی کو خدا کی بندگی کے ماتحت لانے اور آخرت میں سرخروئی حاصل کرنے کا حوصلہ و جذبہ پیدا کرنے کے لئے قیامت تک رہنمائی کرنے والی تعلیمات لے کر آئے تھے، صرف یہی نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو اس کام کو انجام دینے کے لئے صرف مختصر مدت میں تعلیمات خداوندی کو پہنچا دینے کے لئے بھیجتا یا اپنے فرشتوں کے ذریعہ آپؐ کو انسانوں تک پہنچا دیتا بلکہ آپ کو تیئس سال تک انسانوں کے درمیان رہنا پڑا، اور آپؐ نے صرف ان کے درمیان رہ کر تعلیم دیدینے پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ ان تعلیمات کو اپنی زندگی میں عملی شکل میں برت کے دکھایا، اور ان کو زندگی میں جاری و ساری کرنے کے نمونے پیش کئے، اور اس طرح تیئس سال میں توحید و توکل، عبادت و بندگی، تعلیم و دعوت، انسانی خیر خواہی و ہمدردی، تعاون فی الحق، پھر صبر و توکل، پھر امن و جنگ کے مختلف حالات میں ایک مومن کا جو طرز ہونا چاہئے وہ دکھایا، جس کے اثر سے صحابہ کرام کی ایک جماعت تیار فرمادی، جس نے اپنی زندگیوں میں ان تعلیمات کو نہ صرف یہ کہ اتار لیا بلکہ دوسروں کے لئے اپنی زندگیوں کو ایسا نمونہ بنا دیا کہ پھر یہ سلسلہ اس وقت سے نسلاً بعد نسلٍ مسلمانوں میں منتقل ہوتا چلا گیا، جس کا مظہر وہ ماحول ہوتا تھا، جس میں یہ برگزیدہ حضرات رہتے اور زندگی گذارتے تھے، اور سچ پوچھئے تو عہد اول کے وقت سے برابر اگلے نمونوں سے پچھلے نمونے بنتے رہے اور انھیں نمونوں نے مسلمانوں کے ایمان و عمل کو بحفاظت عہد اول سے مسلسل ایک عہد سے دوسرے عہد کو منتقل کیا، ہم جو نمازیں پڑھتے ہیں یہ وہ نمازیں ہیں جن کو کتاب میں پڑھنے سے قبل ہم نے اپنے پیش روؤں کو پڑھتے دیکھا ہے، ہم جو روزہ رکھتے ہیں وہ اپنے پیش روؤں کو رکھتے ہوئے دیکھا ہے، اسی طرح ہمارے سارے اخلاق و کردار کا معاملہ ہے، ہم اپنے ماحول سے ہی صحیح صحیح نقشہ پر عمل کرنا سیکھتے ہیں، اس کے لئے ماحول کو اچھا بنانے کی بڑی ضرورت ہوتی ہے، اگر نیکوکار لوگوں کا ماحول ہوتا ہے تو اس میں نشو و نما پانے والے نیکوکار بنتے ہیں، اور اگر منحرف اور بگڑے ہوئے لوگوں کا ماحول ہوتا ہے تو اس میں نشو و نما پانے والے بگاڑ سیکھ لیتے ہیں اور اس پر عامل ہو جاتے ہیں۔

ماحول کو اچھا بنانے کے لئے بھی محض تعلیم دیدینے سے مقصد حاصل نہیں ہوتا، اس کے لئے مزید کچھ اور بھی کرنا ہوتا ہے، پہلے تو اپنی سیرت و اخلاق میں اس کا اچھا نمونہ دکھانا ہوتا ہے، پھر اس کو اختیار کرنے کے لئے تاکید کے مختلف طریقے اختیار کرنا ہوتے ہیں۔

حدیث شریف میں حکم آتا ہے، "من رأی منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الإیمان" فرمایا کہ تم میں سے کوئی اگر برا کام دیکھے تو اپنے ہاتھ سے اس میں تغیر لائے، اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو اپنی زبان سے اس میں تغیر لائے، اور اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو اپنے دل سے ایسا کرے۔ اور یہ کمزور ایمان کا درجہ ہے۔ مثلاً بری بات دیکھنے والا اگر باپ ہے تو وہ ہاتھ سے یعنی سختی سے اس کو بدلوا سکتا ہے، اور اگر برابر کا ہے یا جیسا کہ ساتھی دوست ہوتا ہے تو اپنی زبان سے اس کو بدلوا سکتا ہے، اور اگر چھوٹا اور کمزور ہے، کہہ بھی نہیں سکتا، تو اپنے دل میں یہ

خیال رکھے کہ یہ برا کام ہو رہا ہے تا کہ جب بھی اس کو اس سے زیادہ کا موقع ملے تو وہ اس سے زیادہ کر سکے۔

یہ اہتمام جو مذکورہ بالا حدیث کی رو سے واضح ہوتا ہے جب بھی کسی ماحول میں رائج ہوگا، وہ ماحول یقیناً اچھا بنے گا اور ماحول جب اچھا ہوگا تو اس ماحول کے رہنے والے اس سے متأثر ہو کر اس سے خیر وصلاح کی زندگی کو اپنائیں گے اور اچھے بن سکیں گے۔

مسلمانوں کی تاریخ میں اس کی مثالیں جگہ جگہ ملتی ہیں، اور اب بھی باوجودیکہ دنیا میں انسانیت اور حق وصداقت کی قدروں سے انحراف بہت عام ہو چکا ہے، جگہ جگہ مسلمانوں میں اچھے ماحول کے نمونے ملیں گے، اور اچھے ماحول کے پورے نمونے جہاں نہیں ملیں گے، وہاں اچھی سیرت وکردار کے اشخاص ملیں گے جنھوں نے اپنے محدود ماحول یعنی اپنے گھر کے اندر ہی اچھے ماحول کا نمونہ قائم کر رکھا ہوگا۔

یہی نمونے ہیں جنھوں نے برابر دینِ صحیح کی اعلیٰ قدروں کو جگہ جگہ برقرار رکھا ہے، اور ان کی بنا پر اسلام زندہ ہے، جب کہ دوسرے تمام مذاہب اپنی اصل خوبیوں اور نمونوں سے محروم ہو چکے ہیں، اس میں اصلاً اسلام کی کتاب ہدایت قرآن مجید کے اثر کو دخل ہے، پھر حدیث شریف کی رہنمائی کارفرما ہے جو برابر متوجہ کرتی اور جذبہ بیدار کرتی رہتی ہیں، اور رہنمائی حق کے یہ دونوں ذریعے اللہ کی طرف سے محفوظ رکھے گئے ہیں، ان میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے، لیکن دونوں کی عظیم رہنمائی کے باوجود جب تک ان کی تعلیمات کو افراد کی زندگی کے نشیب وفراز میں اتارا اور پیش نہیں کیا جاتا اور ان کا ماحول نہیں بنایا جاتا ان کا پورا اثر نہیں پڑتا، ہم کو ضرورت ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں جاری کر کے اس کا ماحول بنائیں، اسی سے مسلمانوں میں ان کا دین جاری وساری ہوتا رہے گا، اور ان کے جاری وساری ہونے میں کمی ہوئی تو اس کے نتیجہ میں دین صحیح کے جاری وساری ہونے میں کمی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی طاقت کے بعد سب سے بڑی طاقت

انسانی فیصلے

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طاقت کے بعد (جو اصل طاقت ہے) دنیاوی لحاظ سے بڑی طاقت جو زندگی کے پہیئے کو رواں دواں رکھے ہوئے ہے، جو مختلف وقتوں میں دنیا میں تبدیلیاں لاتی رہتی ہے، پہاڑوں کو اپنی جگہ سے کھسکا دیتی ہے، دریاؤں کے رخ موڑ دیتی ہے، سلطنتوں کے چراغ گل کر دیتی ہے، ایسے واقعات کو جن کا تصور بھی مشکل ہوتا ہے، وجود میں لے آتی ہے، وہ انسانی فیصلہ ہے، اس فیصلہ نے بارہا افراد کی اور خاندانوں کی نہیں، قوموں کی اور انسانیت کی تقدیر بدل دی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا موقع دیا ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کا اظہار اور زندگی کا استحقاق ثابت کر کے باآبرو زندگی کے گزارنے کی مہلت لے لے، اور اس کے برعکس اپنی نااہلی، کفران نعمت اور ظلم وفساد کا مظاہرہ کر کے زندگی کے حق اور اللہ کی نعمتوں سے محرومی کا فیصلہ کرا لے، اسی کا نام ہے، تقدیر کا بدل جانا "ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کسی قوم کی دی ہوئی نعمت اس وقت تک نہیں چھینتا اور اس کی تقدیر نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے حالات میں تبدیلی پیدا کر کے اور ناشکری کر کے نعمت خداوندی سے محرومی اور عزت کے بعد ذلت کا فیصلہ نہ کرا لے۔

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ)

المحاسن والاضداد

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی

ابوعثمان جاحظ (المتوفی ۲۵۵ھ) عربی نثر میں اپنے وقت کا امام تھا، ذہانت ودوررسی میں اس کا کوئی جواب نہیں، کتاب البخلاء اس کی فکری نوادرات کا ایک مجموعہ ہے، اسی طرح اس کی کتاب "المحاسن والاضداد" اس کی حکیمانہ فکر اور قوت گفتار، مضامین کی آمد اور الفاظ پر حسنِ تصرف کا تمام عربی ادب میں ایک ممتاز نمونہ ہے، اپنی اس کتاب المحاسن والاضداد میں وہ بہتر سے بہتر چیز کے برے سے برے پہلو کو اس طرح دلائل کے ساتھ لکھتا ہے کہ ذہن سے اس کی اعلیٰ خوبیاں اوجھل ہو جائیں اور جس کو پسند کر لے اس کی خوبیاں تلاش کر کے یکجا کر دیتا ہے، مثال کے طور پر کسی زہریلے پھل کے محاسن واضداد پر اس طرح بحث کرے گا کہ پہلے اس کی خوبیاں بیان کرے گا، لکھا ہے کہ زہریلا پھل انسان کے اندر عقیدۂ توحید کو پختہ کرتا ہے کہ وہ خدا ایک ہی پانی سے سیراب ہونے والے پودوں میں کسی کو میٹھا پھل دینے والا بناتا ہے، جو زندگی بڑھاتا ہے، اور کسی سے ہلاک کرنے کا کام لیتا ہے، پھل میں طاقت نہ زندگی بخشنے کی ہے اور نہ ہلاک کرنے کی، تاثیر من جانب اللہ ہے، اور اس کا برا پہلو یہ ہے کہ آدمی تجربہ کرتا ہے مگر اس تجربہ سے لوگوں کو آگاہ نہیں کر سکتا، خود اس کو علم حاصل ہو جاتا ہے، لیکن دوسروں کو بتانے کا وقت نہیں رہتا، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہر سانس ممد حیات ہے، گویا کہ ہوا کے سہارے انسان جیتا ہے اور چند منٹ بھی بغیر سانس لئے زندہ نہیں رہ سکتا، اللہ نے اتنی بڑی عظیم طاقت اپنی کسی مخلوق کو عطا نہیں کی مگر یہی ہوا اگر کسی حیوان کی یا انسان کی میت پر سے گذرے تو اس کو سڑا دیتی ہے، اور اس کی بدبو سے امراض پھیلتے ہیں۔

غرض کوئی ایسی چیز دنیا میں نہیں ہے جس کا ایک ہی پہلو ہو، درحقیقت اس کے کئی پہلو ہوتے ہیں، ہم آپ جس عصر سے گذر رہے ہیں اگر یہ

> دنیا جنگ سے اکتا چکی ہے، ہر قوم اس سے نفرت کرتی ہے، اور اسی بنا پر صدر کی مقبولیت کا گراف روز بروز گر رہا ہے، ایک عالم کی ویرانی، قوموں کی تباہی، صدیوں کی معاشرت، آداب حیات کو ملیامیٹ کرنے کی اسکیم عملی طور پر سامنے آرہی ہے، حکمائے صہیون کے میثاق (پروٹوکول) میں جن تمناؤں کا اظہار کیا گیا ہے اس کی تعمیل ہو رہی ہے، اور دانش وران اقوام متحدہ حیران ہیں کہ اس جد وجہد کو خیر وشر کی عمارت میں کون ساخانہ دیں۔

جاحظ کا زمانہ ہوتا تو یہ لکھتا کہ شر کی طاقت پوری پوری بستی کو جلا دینے، آبادیوں کو تہس نہس کرنے، در و دیوار کو منہدم کرنے کی آزادانہ قدرت رکھتی ہے، گھر میں سکون کے ساتھ بیوی بچوں کے ہمراہ ایک متوسط غریب آدمی بھی سکون محسوس کرتا ہے، مگر اس کو اچانک تباہ کر کے، نوزائیدہ بچوں کو ماں باپ کے سامنے تباہ کر کے لوگ اپنی قدرت کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور اپنی ربوبیت کاملہ کا اعتراف چاہتے ہیں، لیکن دوسری طرف اس کے فوائد بھی ہیں، کہ شر کی سب سے بڑی طاقت مادۂ خیر کو تہس نہس کر دیتی ہے، افغانستان کی پوری آبادی تباہ کر دی گئی، دنیا کی سب سے زیادہ امن پسند ملت کی گردن میں عالمی دہشت گردی کا قلادہ پہنایا گیا لیکن اس کے ساتھ بہت سے منافع بھی ہیں، امریکہ میں آباد یہودیوں کی چال بازیوں اور شر پسندیوں سے امریکیوں کو نجات مل گئی، کارخانوں کے بنائے ہوئے اسلحے جو منجمد ہو رہے تھے اور جن کی دیکھ بھال میں کروڑوں ڈالر کا خرچ آرہا تھا، ان کے خریدار مل گئے اور ایک دہشت ناک قوم سامنے آگئی، جس کے نام سے دہشت وبربادی کا بول بالا ہو رہا ہے۔

جاحظ زندہ ہوتا تو واشنگٹن پوسٹ کی اس رپورٹ کا جواب دیتا جس نے لکھا ہے کہ دنیا جنگ سے اکتا چکی ہے، ہر قوم اس سے نفرت کرتی ہے، اور اسی بنا پر صدر کی مقبولیت کا گراف روز بروز گر رہا ہے، ایک عالم کی ویرانی، قوموں کی تباہی، صدیوں کی معاشرت، آداب حیات کو ملیامیٹ کرنے کی اسکیم عملی طور پر سامنے آرہی ہے، حکمائے صہیون کے میثاق (پروٹوکول) میں جن تمناؤں کا اظہار کیا گیا ہے اس کی تعمیل ہو رہی ہے، اور دانش وران اقوام متحدہ حیران ہیں کہ اس جد وجہد کو خیر وشر کی عمارت میں کون ساخانہ دیں، ہم مسلمان تو یہ جانتے ہیں، فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ ۔[1]

(سورہ الرعد: ۱۷)

[1] جھاگ تو ناکارہ ہو کر چلا جاتا ہے، لیکن جو لوگوں کو نفع دینے والی چیز ہے وہ زمین میں ٹھہری ہوتی ہے۔

تعلیم الحدیث

جذبۂ خیر خواہی

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

عن تمیم الداری عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أنہ قال:
"الدین النصیحة" (رواہ مسلم)

حضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "دین تو خیر خواہی کا نام ہے"، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ خیر خواہی کس کے لئے؟ آپؐ نے فرمایا کہ "اللہ کے لئے، اس کے رسول کے لئے، ائمۂ مسلمین کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے۔"

"النصیحة" کا لفظ اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے، حق شناسی کے ساتھ اس کی ادائیگی اور جذبۂ خیر خواہی کو "النصیحہ" کہتے ہیں، سب سے پہلے بندہ اپنے رب کے حق کو پہچانے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا شمار کون کرسکتا ہے، ہر ہر امتی پر فرض ہے کہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، عقیدت اور عظمت کا ایسا تعلق رکھے کہ اس کی نظر میں کل مخلوق اس اشرف الخلائقؐ کے آگے ہیچ ہو، پھر درجہ بدرجہ ہر ایک کے حق کو پہچانے، اور حسب مراتب ہر ایک کے لئے خیر خواہی کا جذبہ رکھتا ہو، وہ اپنا ہو یا غیر، قریبی عزیز ہو یا بیگانہ، چھوٹا ہو یا بڑا، جوان ہو یا بوڑھا، دشمن ہو یا دوست، اس کے دل میں ہر ایک کے لئے خیر اندیشی کے جذبات ہوں، آپؐ نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے فرمایا: "انصر أخاك ظالماً أو مظلوماً" "اپنے بھائی کی مدد کرو، ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ کرامؓ تربیت نبویؐ کے سانچے میں ڈھلے ڈھلائے تھے، عرض کیا اللہ کے رسولؐ! مظلوم کی مدد تو خوب ہے، ظالم کی مدد کیونکر ہو، فرمایا کہ ظلم سے اس کا ہاتھ روک دو۔

خیر خواہی اسی کا نام ہے کہ اگر کوئی غلط راستہ پر پڑ گیا ہے تو اس کی صحیح رہنمائی کی جائے اور حتی الوسع غلط راستہ پر جانے سے اس کو روک دیا جائے، یہ خیر خواہی کا جذبہ صرف افراد کے ساتھ خاص نہیں، اس میں جماعتیں بھی داخل ہیں اور تحریکات بھی، انجمنیں بھی اور ادارے بھی، اگر وہ حق کی ترجمان ہیں تو ان کی تقویت وترقی کی فکر ہر مومن کا فریضہ ہے، اور اشاعت حق کا کام کوئی کرے، کہیں کرے، اگر صحیح طریقہ پر کر رہا ہے تو اس کی مدد ایمان کا تقاضہ ہے اور اس کی علامت ہے اور اگر اُن سے کبھی غلطی ہو تو اس کے حق میں خیر خواہی یہی ہوگی کہ حکمت کے ساتھ اور بہتر طریقہ پر اس کی نشاندہی کردی جائے، مگر کسی بھی فرد یا جماعت کی کسی غلطی پر اس کو طنز وتعریض کا ہدف بنالینا ایمان کے منافی ہے، بلاشبہہ اس کی اصلاح کی فکر جذبۂ خیر کا ہی ایک حصہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں امت کو جو پیغام دیا ہے وہ امت کے افراد اور جماعتوں کے لئے ایک سوالیہ نشان کی حیثیت رکھتا ہے! ❁

مجھے بھی جذبہ حسّان عطا ہو یارب!

کبھی ہو یوں بھی، دیارِ حبیبؐ جاؤں میں
وہاں پہ جاؤں تو پھر لوٹ کر نہ آؤں میں

جو خواب ہی میں کبھی قُرب ان کا پاؤں میں
زبانِ اشک سے رودادِ دل سناؤں میں

یہ کائنات مرے ساتھ رقص میں آئے
درِ حضورؐ پہ جب نعت گنگناؤں میں

بس اپنے ہاتھ میں دامانِ مصطفیٰ آجائے
پھر اس کے بعد ہر اک شے کو بھول جاؤں میں

مجھے بھی جذبہ حسّانؓ عطا ہو یا رب!!
ہمیشہ نعت کے شعروں میں مسکراؤں میں

گزر ہو میرا بھی شہر نبیؐ کی گلیوں میں
ہر ایک ذرّہ کو چوموں گلے لگاؤں میں

ہر ایک حرف مری نعت کا اجالا دے
رُواں رُواں مرا روشن ہو جگمگاؤں میں

بسا کے نظروں میں طیبہ کے خوشنما منظر
حصارِ فکر میں ان کو سمیٹ لاؤں میں

جھکے گا سر تو مرا بس ترے حضور خدا!
دل آستانہ پہ ان کے مگر جھکاؤں میں

مجھے حضورؐ کا اسوہ قمر! سہارا دے
رہِ حیات میں جب جب بھی ڈگمگاؤں میں

قمر سنبھلی

چراغ راہ

جوہر ذاتی کے سامنے زمانہ جھکتا ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اللہ تعالیٰ بار بار اپنے بندوں کے حالات بیان فرماتا ہے حتی کہ ایک پوری سورہ ہی اسی بیان میں ہے کہ جوہر ذاتی انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچادیتا ہے۔

آپ نے سورۂ یوسف پڑھی ہوگی اور پڑھا نہیں تو سنا ضرور ہوگا، بہت مشہور قصہ ہے کہ ایک انسان کو گمنام کرنے کے لئے جتنے اسباب وذرائع ممکن ہوسکتے ہیں وہ سب کے سب حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف استعمال کرلئے گئے، انسان کو سب سے زیادہ مدد اس کے گھر اور خاندان سے حاصل ہوسکتی ہے لیکن ان کی کہانی ہی اس سے شروع ہوتی ہے کہ ان کے بھائیوں نے ہی ان سے دشمنی کی اور ان کو گھر سے نکالنے اور باپ کی نظروں سے اُوجھل کرنے کی پوری کوشش کی، جب گھر ہی نے کسی انسان کو رکھنے سے انکار کردیا ہو تو اس کا کہاں ٹھکانا ہوسکتا ہے، ان کو گھر سے نکال دیا گیا، کنویں میں ڈل دیا گیا لیکن کتنی بڑی آزمائش تھی کہ جن لوگوں نے کنویں سے نکالا وہ دور دراز کا ایک قافلہ تھا اور ان کی قدر شناسی کا یہ حال تھا کہ اُونے پونے داموں میں بیچ ڈالا "وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ" اور خریدا کس نے؟ عزیز مصر نے اور وہ بھی غلام کی حیثیت سے خریدا، اور پھر ان پر وہ آزمائش آئی جو ایک نوجوان پر بڑی سے بڑی ہوسکتی ہے، اور ان پر وہ داغ لگانے کی کوشش کی گئی جس کے بعد انسان شریفوں کی مجلس میں بیٹھ بھی نہیں سکتا اور ان سے باتیں بھی نہیں کرسکتا، سیاسی الزام تو کبھی اور خاص طور سے اس زمانہ میں ترقی کا باعث بن جاتے ہیں، بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ انسان سیاسی جُرم میں قید ہونے کے بعد مشہور ہوگیا ہے اور ترقی کے اعلیٰ منازل پر پہنچ گیا ہے، لیکن دنیا کی اور انسانیت کی تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملے گی کہ کسی پر اخلاقی الزام لگادیا گیا ہو اور وہ اس طرح چمکا ہو جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام، چنانچہ وہ جیل بھیل دیئے گئے، وہاں بھی اخلاقی مجرموں کے ساتھ جن کا کوئی وقار نہیں ہوتا، لیکن اس لعل کی روشنی وہاں بھی پھوٹی اور یہ گوہر وہاں بھی چمکا، انھوں نے اپنی سیرت اور کردار سے ایسا مقام پیدا کرلیا، جس سے لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت بیٹھ گئی، انھوں نے وہاں کے اخلاقی قیدیوں کو ہدایت شروع کردی، اور یہ ثابت کردیا کہ جو شخص جیل میں آیا ہے اور اس ناخوشگوار اور تاریک فضا میں مقید کردیا گیا ہے وہ اس کا مستحق نہیں تھا بلکہ وہ دنیا کی اعلیٰ منازل کا مستحق تھا، ان کو اسیر زنداں کردیا گیا، جیل کے کٹہرے میں کھڑا کیا گیا، لیکن جوہر ذاتی چمکا اور اپنا بلند ترین مقام پیدا کرلیا، حتی کہ لوگ اس کے پاس آنے لگے اور اپنے اہم مسائل میں رجوع کرنے لگے، جیل کے دو ساتھیوں نے خواب دیکھا اور تعبیر پوچھی آپ نے پہلے تو ان کو رشد وہدایت کی دعوت دی، تبلیغ دین کے فرائض انجام دیئے، پھر تعبیر بتائی اور وہ تعبیر صحیح نکلی اور کچھ ہی دنوں میں ایسا شہرہ ہوا کہ ملک کو اور ارباب ملک کو اس کا احساس ہوگیا کہ جس کو انھوں نے جیل بھیج دیا اس کی تو ملک کو ضرورت ہے، جس کو انھوں نے زنداں میں بند کیا ہے اس کو ملک کے اہم ترین مسائل حل کرنے ہیں، چنانچہ ان سے ملکی مسائل میں رجوع کیا جانے لگا، اور بادشاہ نے گذارش کی کہ وہ جیل سے باہر آئیں اور ملکی انتظامات میں حصہ لیں، لیکن صاف کہہ دیا کہ "اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللّٰاتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ الخ" "تاکہ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہ مل سکے کہ رعایت کی بنا پر جیل سے نکال دیئے گئے ہیں، وہ درحقیقت مجرم تو تھے، لیکن بادشاہ نے کسی وجہ سے ان کی پردہ پوشی کی اور جیل سے نکال دیا، اسی بنا پر اس بندۂ خدا نے صاف صاف انکار کردیا کہ جب تک میرے معاملے کی تحقیق نہیں ہوجائے گی میں جیل سے باہر نہیں آسکتا، چنانچہ تحقیق ہوئی اور وہ بالکل بری نکلے، تب وہ جیل سے آئے، نہایت اہم ذمہ داری لی کہا کہ "اِجْعَلْنِیْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ" کہ خدا نے مجھے حفاظت اور علم کی دو ایسی صلاحیتیں عطا کی ہیں جس کی بنا پر میں اس ذمہ داری کو ادا کرسکتا ہوں، چنانچہ ان کو وزارت خوراک جیسی نازک اور اہم وزارت سپرد کی گئی، آپ جانتے ہی ہیں کہ تمام ممالک میں خوراک کا مسئلہ کتنا نازک ہوتا ہے، پھر ان کے بھائی ان کے پاس دست بستہ حاضر ہوئے، غلہ لے گئے اور پھر جب انھیں شبہہ ہوا تو کہا "اَاِنَّكَ لَاَنْتَ یُوْسُفُ، قَالَ اَنَا یُوْسُفُ وَهٰذَا اَخِیْ" اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے جو دو لفظ فرمائے، میں چاہتا

> یہ ہماری کم ہمتی اور ہماری بزدلی کی سب سے بڑی علامت ہے کہ ہم زمانے کو دیکھتے ہیں، زمانہ نہ کبھی ساز گار رہا ہے نہ کبھی ساز گار رہے گا، زمانے نے کبھی خود بڑھ کر کسی کا استقبال نہیں کیا ہے، جوہر ذاتی کے سامنے زمانہ جھکتا ہے، اخلاق اور کمال اخلاق زمانے کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ بڑھ کر اس کو ہاتھوں ہاتھ لے۔

ہوں کہ آپ خوب غور سے سن لیں، یہ ہماری کم ہمتی اور ہماری بزدلی کی سب سے بڑی علامت ہے کہ ہم زمانے کو دیکھتے ہیں، زمانہ نہ کبھی سازگار رہا ہے نہ کبھی سازگار رہے گا، زمانے نے کبھی خود بڑھ کر کسی کا استقبال نہیں کیا ہے، جو ہر ذاتی کے سامنے زمانہ جھکتا ہے، اخلاق اور کمال اخلاق زمانے کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ بڑھ کر اس کو ہاتھوں ہاتھ لے، انھوں نے جو کچھ کہا وہ قیامت تک باقی رہے گا اور اسی طرح پائندہ وتابندہ رہے گا جیسے اب تک رہا ہے، وہ ہمیشہ ڈوبنے والوں کے لئے سہارا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا اعلان تمہارے لئے زندگی کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے، ان کو کنویں میں ڈالا گیا، زنداں میں ڈالا گیا اور ان پر سنگین ترین الزام لگایا گیا، غرضیکہ دنیا کی ساری طاقتیں ان کی مخالفت کے لئے ابھر آئیں، لیکن ان کا جو ہر ذاتی چمکا، ان کا جلال، جمال، صداقت اور برتری واضح ہو کر آئی، ان کی عصمت، ان کا استحقاق، ان کی امانت، ان کی وفا آفتاب کی طرح چمکتی ہوئی سامنے آئی اور انھوں نے کہا ''قد منّ اللہ علینا'' اور پھر وہ عظیم سبب بیان کیا جو دنیا کے سارے درد کا درماں ہے اور ہر انسان کی زندگی کے لئے مشعل راہ ہے، کیا کہا؟..... ''انہ من یتق ویصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین'' یہ ایک ایسا عظیم جملہ ہے اور ایک ایسا بامعنی اور پرتاثیر محرک ہے جو ہر انسان کو ترقی کے اعلیٰ منازل پر پہنچا سکتا ہے، اگر میری رائے مان لی جائے تو میں کہتا ہوں کہ تمام مدرسوں اور اداروں کے دروازے پر یہ لکھ کر آویزاں کر دینا چاہئے انھوں نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ تقویٰ اور صبر ایسی طاقت ہے جو ناسازگار سے ناسازگار حالات میں بھی یوسف علیہ السلام کے درجے تک پہنچا سکتی ہے۔

جن لوگوں نے اخلاص وصبر سے کام لیا وہ کامیاب رہے، دنیا کا بڑے سے بڑا عالم، محقق ناکام لیکن صاحب اخلاص وتقویٰ وصبر کامیاب، اگر وقت اجازت دیتا تو میں نام لے لے کر کہتا فلاں ادیب ناکام، فلاں مفکر ناکام، فلاں مصنف ناکام اور یہ وہی لوگ ہیں جن کو تم بہت کامیاب سمجھتے ہو، لیکن اللہ کی نظروں میں ان سے بڑا ناکام کوئی نہیں، تاریخ بتاتی ہے اور دوست ودشمن سب اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کامیاب اور عمر ابن العزیزؒ کامیاب، اور دنیا کے سارے ملکوں کے صدر نائب اور وزیر اعظم ناکام، اصل معیار یہی ہے ''انہ من یتق ویصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین'' ایک غریب جس کے اندر صبر وتقویٰ کا جوہر ہے وہ کامیاب ہے اور اگر یہ نہیں ہے تو چاہے کتنا ہی بڑا آدمی ہو، ناکام ہے۔

کاروانِ رفتگاں

- سابق استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا نور عظیم ندوی مرحوم کی اہلیہ محترمہ ۹ ذی الحجہ کو وفات پا گئیں، ادارہ ان کے پس ماندگان خصوصاً مولانا ذکی نور ندوی کی تعزیت کرتا ہے۔
- مولانا سلطان الہدیٰ ندوی کے چچا جناب نجم الہدیٰ صاحب کا الہ آباد میں انتقال ہو گیا۔
- ندوہ اور حضرت مولانا کے نیاز مند جناب محمد شاکر صاحب کے بڑے بھائی محمد صابر درودز، مصاحب گنج لکھنؤ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔
- جناب داؤد صاحب استاذ انگریزی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بڑے بھائی جناب مشتاق احمد صاحب اپنے وطن مالوف میں رحلت کر گئے۔ قارئین تعمیر حیات سے مرحومین ومرحومات کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مفسر قرآن مولانا عبد الماجد دریابادیؒ

کے قلم سے

بشریت انبیاء

''قرآن کی روشنی میں''

مولانا دریابادیؒ اس کتاب کے بارے میں خود لکھتے ہیں، ''فضائل انبیاء سے اردو لٹریچر بھرا ہوا ہے لیکن اس کے مقابل کی چیز یعنی بشریت انبیاء کی طرف شاید کسی کا بھی ذہن ہی منتقل نہیں ہوا، لازمی طور پر لوگوں کے دماغ غلو فی العقیدت سے لبریز ہیں، بڑی ضرورت اس میں اعتدال پیدا کرنے کی تھی تاکہ عقیدۂ توحید کمزور ومجروح نہ ہونے پائے۔

مولانا دریابادیؒ کی یہ کتاب اپنے موضوع پر منفرد ہے اور وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے۔

خوبصورت کتابت وطباعت قیمت -/40 محصول ڈاک علاوہ

☆ مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی — از: مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ — قیمت -/40

☆ زبان کی نیکیاں — از: مولانا محمد ثانی حسنیؒ — قیمت /15

ناشر

مکتبہ اسلام ۲/۵۴ محمد علی لین، گوئن روڈ لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

فکر ابوالحسن علی ندوی

''تکبیر مسلسل'' ـــــ ایک مطالعہ

(مرتبہ: ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

ڈاکٹر عثمانی صاحب کی مرتب کردہ کتاب ''تکبیر مسلسل'' کو دیکھ کر یہ خیال آیا کہ اگر ارادہ میں پختگی، کام کرنے کا سلیقہ اور عزم بالجزم ہو تو اکیلا انسان پوری اکاڈیمیز کا کام کر سکتا ہے، ڈاکٹر صاحب نے وہ ممدوح بھی چنا ہے جس سے زیادہ سزاوار مدیح کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

غالب نے آدمی کے لئے کہا ہے کہ وہ محشرِ خیال ہے، ہمارے مولانا[1] محشرِ عمل تھے، ظاہر ہے عمل تو خیال کا تابع ہوتا ہے، دعوت وعزیمت کے اس پیام بر کے نقش قدم ہر اُس راستہ پر ملیں گے جس کی منزل منزلِ دوست ہے۔

حضرت مولانا وہ درویش صفت مجاہد تھے جن کا قلم اُن کی تلوار تھا، یہ تلوار ہمیشہ حق کے لئے چلی، اُن کی شان جمال کی تھی مگر جہاں ضرورت پڑی وہاں جلال بھی اپنی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر رہا، یہ کتاب اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

حضرت مولانا کو اُن کی زندگی ہی میں جو عزت اور شہرت ملی، وہ بڑے بڑوں کے لئے باعث رشک تھی، مگر حضرت مولانا نے اس کو پرکاہ کے برابر بھی نہیں سمجھا، ان کا مقام بہت بلند تھا، مگر بلندی سے انھوں نے کبھی حقارت سے نیچے نہیں دیکھا، کسی شخص کو معمولی اور کسی مشن کو غیر اہم نہیں سمجھا۔

ان کی سلطنت بقول اقبال فقر تھی، شاہی نہیں، صحیح معنوں میں وہ خاکی نوری نہاد اور بندہ مولا صفات تھے، وصال سے کچھ دن قبل ایک غیر معمولی رقم ایک والیٔ سلطنت نے ان کو پیش کی، یہ رقم مولانا قبول کرنے کے لئے بالکل تیار نہ تھے، مگر اپنے مزاج کے مطابق اپنے محبت کرنے والوں کا اصرار دیکھ کر اُن کا دل نہیں توڑا، لے لیا اور پھر اُس کا مصرف یہ ہوا کہ بارش کی طرح انھوں نے دینی مدرسوں پر بہا دیا، ان کے ورثاء بھی وہ شاندار لوگ تھے، جنھوں نے مدرسوں کے نام اُن کو گنائے اور ساری رقم ان پر صرف کرا دی۔

کچھ لوگ جو مقرب بارگاہ تھے وہ بھی نوازے گئے، مقرب لفظ کے استعمال کے بعد میرا یہ کہنا کہ میں بھی اُن نیاز مندوں میں رہا ہوں، جو سرفراز کئے گئے تھے، یقیناً مجھے ایاز قدر خود شناس سننے کا مستحق بنا دیتا ہے، میں شرمندگی بھی محسوس کر رہا ہوں لیکن یہ بات تحدیث نعمت میں آتی ہے۔

کیا عرض کروں، عمر عزیز کا بیشتر حصہ کارِ دنیا میں صرف ہوا، جب ریٹائر ہوئے تو حضرت مولانا کی خانقاہ کے دروازے پر دستک دی، اندیشہ تھا کہ دروازہ کھلے گا کہ نہیں مگر یہ اندیشۂ دور دراز رہا۔ دروازہ وا ہو گیا اور حضرت مولانا نے اس غلام کو اندر بلایا۔ بارگاہ میں جگہ پا گیا۔ قدموں کے پاس خواص میں شامل نہیں ہوا، نہ اس کا حوصلہ تھا نہ ہمت، پھر بھی محرم راز درون میخانہ بن گیا اور آج بھی یہ نسبت خواہ کتنی خوش فہمی پر مبنی ہو دل کو شدت سے بھر دیتی ہے۔

میں تکبیر مسلسل پر مضمون لکھنے چلا تھا، لیکن ذکر اپنا لے آیا، کیا کروں اپنے پر قابو نہیں رہتا، وہ شفقتیں، وہ مہربانیاں، وہ قدر دانیاں یاد آتی ہیں، جن کو میں نے اپنا حق سمجھ لیا تھا، کیسے اُن کے ذکر سے باز رہوں، یہی تو متاع فقیر ہے۔

حضرت مولانا علم کا مرکز اور محیط دونوں تھے، دین اور علم دین سے ہم رازی کا رشتہ رکھتے تھے، اپنی کتابوں میں انھوں نے اپنا ذکر کیا ہے، لیکن اپنی شخصیت کا نہیں، بلکہ اُس سے گریز کیا ہے، انھیں انسانی فطرت کا علم تھا اور اُن کی ذات میں ہمہ گیری تھی، اُن کے یہاں جذبات اور افکار کا خوب صورت مرکب ملتا تھا، بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ تفکر اور تخیل میں انھوں نے مطابقت قائم کی تھی، اسلام کے ماضی کا ذکر اُن کی روح کو سرشار کر دیتا تھا، حال کے لئے فکر مندی اور ماضی کو نظیر بنانے کی بے پناہ خواہش رکھتے تھے، اور ایک شاندار مستقبل کا خواب دیکھتے تھے، وہ مفکر اسلام کہلائے مگر افکار کا ایک خشک مجموعہ نہ تھے، اخلاقی ہدایت حسن بیان کے ساتھ تھی، زندگی کی تمام کیفیتیں اُن کی تحریروں میں ملیں گی، وہ مذہب کے ترجمان تھے اور مذہب ہی کو انسان کے لئے قانون ساز سمجھتے تھے، وہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان کی زندگی کا نخل اب خزاں رسیدہ ہے، اس کی آبیاری کی ضرورت ہے۔

اس ذکر کو ختم کرنے کا جی نہیں چاہتا مگر اب کتاب کے مندرجات پر بات کرنی ہے، کتاب کے سرورق پر حضرت مولانا کی جو تحریر لکھی ہے اس سے ابتدا کرتا ہوں، مولانا نے لکھا ہے کہ میری قوت بیانی نے میرے دردِ دل کا ساتھ نہیں دیا ہے، خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں، اپنی کوتاہیوں سے ڈر لگتا ہے، لیکن اس ملک میں ملت اسلامیہ کی تاریخ، اس ملک کی موجودہ صورت حال اور اسلام کے پیغام کی ابدیت مجھ سے کہتی ہے کہ مسلمانوں کو اس ملک میں رہنا ہے اور اپنا مقدس اور ضروری کام کرنا ہے کہ نہ تو اس کام کا کوئی بدل ہے اور نہ آپ کا اب تک قائم

[1] حضرت مولانا علی میاںؒ

مقام پیدا ہوا ہے۔

ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی نے حضرت مولانا کے جملہ کمالات میں سے اُس کام کو اپنی تحقیق اور بیان کے لئے چھانٹا ہے جو خشت اول ہے یعنی بچوں کی ابتدائی دینی تعلیم، اُن کے لئے مدارس کا انتظام کرنا اور اُن کو مضبوط اور منظم کرنے کی فکر کرنا ہے، حدیثِ سوز وساز زندگی تو آگے کی منزل ہے اور اس کی اونچائی تو ثریا تک ہے۔

دینی تعلیمی کونسل قائم کرنے کو انھوں نے ایک ایسی ٹھوس مفید اور تعمیری تحریک بتایا ہے جو ایک طویل عرصہ سے مسلمانانِ ہند کی تاریخ میں مندرج نہیں ہے۔

جیسا کہ میں نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر عثمانی کا یہ کام صرف اللہ کی دی ہوئی توفیق کا آئینہ دار ہے، بڑی محنت، بڑی عرق ریزی سے ان اطلاعات اور پیغامات کی ترتیب اور تدوین کی ہے جو گزشتہ نصف صدی سے مختلف اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوتی رہی ہیں، یہ کام ہر ایک کے بس کا نہ تھا، یہ ان کی علمی لیاقت اور مقصد کا اخلاص ہے کہ بغیر دار ورسن کے رتبۂ بلند پا گئے اور یوسف کے خریداروں میں بڑی متاع رکھنے والوں میں اُن کا نام ہوگا۔

آج سے بہت پہلے مسجد کے مکاتب اور دینی مدرسوں کا ہلکے پن سے ذکر کرنے پر علامہ اقبال نے کہا تھا کہ یہ دین کے قلعے ہیں، علامہ کے اس بلیغ جملہ کی تفسیر ہی اس کتاب کا متن ہے۔

کتاب میں موجودہ عہد کے اُن بزرگانِ دین کی تقاریر کے اقتباسات ہیں جو اس متن پر حاشیہ کا کام کر رہے ہیں، مقدمہ جناب مولانا محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کا ہے جو اس وقت صدر دینی تعلیمی کونسل ہیں اور پیش لفظ جناب مولانا عبداللہ عباس ندوی کا ہے، ہر دو حضرات آسمان علم وادب کے درخشاں تارے ہیں اور انھوں نے کتاب اور مرتب کتاب کی وہ قدر دانی کی ہے جو اُن کا حق ہے، ایک مرتبہ دورانِ گفتگو ڈاکٹر صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ اُن کی ''بسم اللہ'' حضرت مولانا نے کرائی تھی، ظاہر ہے اس مبارک ابتدا ہی سے ڈاکٹر صاحب کے بے مثال علمی کام سامنے آئے، مشاعروں اور مجلسوں میں بھی اپنے ذہن اور بے ساختہ جملوں کی انھوں نے ہمیشہ داد پائی اور گلشن میں سرو کی طرح سربلند رہے، یہ حقیر راقم جو ہمیشہ گوشہ گیر رہا اور جس نے اپنی خلوت کو انجمن سمجھا علی گڑھ کے ابنائے قدیم کے سالانہ جلسہ میں ہمیشہ اس لئے شریک رہا کہ ڈاکٹر صاحب کے شگفتہ جملے سننے میں آئیں گے۔ دینی تعلیمی کونسل کے اس قافلہ کا سفر قاضی عدیل عباسی صاحب مرحوم نے شروع کیا، اور منزل کی طرف تیز جانے کے لئے حدی خواں جناب مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ہوئے، انھوں نے ہمارے مولانا کی توجہ اس طرف کھینچی اور جب وہ آئے تو کارواں کے رہبر ہی کی طرح کام نہیں کیا بلکہ میر کارواں بھی ہوگئے، اس کتاب میں جو حضرت مولانا کی تقریریں اور تحریریں ہیں انھوں نے ملت کی ذہنی غلامی کی زنجیر کو توڑ دیا، آج جو مدارس بڑی تعداد میں ہر طرف نظر آرہے ہیں انہی بزرگوں کی دین ہے، اچھے انسان اور اچھے مسلمان بنانے کے ان کارخانوں کو انھی بزرگوں نے خام مال دیا ہے، انھی کی نگرانی میں یہ ناتراشیدہ ہیرے تراشیدہ ہوگئے، اور جن کی چمک دمک سے برادرانِ وطن کی آنکھیں خیرہ ہو رہی ہیں۔

قاضی عدیل عباسی کے اس ہونہار بھانجے کو ان بزرگوں کی شفقت اور توجہ ملی اور یہ کتاب لکھ کر انھوں نے مرید باصفا کا حق ادا کیا، یہ واضح رہے کہ یہاں مرید اپنے معروف معنوں میں نہیں استعمال ہوا ہے بلکہ ایک بزرگ داشت رکھنے والے احسان شناس کی جگہ پر ہوا ہے، انھوں نے جو کام اپنے ذمہ لیا اور جس طرح سے اسے کیا، اُس کے لئے وہ ملت کے زعیموں کی دعاؤں کے حقدار ہوئے، یہی ان کا انعام ہے۔

مضمون طویل ہوتا جا رہا ہے، ''نہ حسنش غایتے دارد، نہ سعدی راسخن پایاں'' آیئے اب کتاب کے مندرجات پر نگاہ ڈالی جائے، اس کاروبار دلداری کی ابتدا حضرت مولانا منظور نعمانی کی قاضی صاحب کی اس رائے پر اتفاق سے ہوئی ہے کہ دینی تعلیم کا ایک وسیع اور ہمہ گیر نظام صوبہ بھر میں بچھا دیا جائے اور فرمایا کہ کوئی شہر یا قصبہ اور کوئی محلّہ اور گاؤں جس میں مسلمانوں کی آبادی ہو، ایسا نہ رہے جس میں مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے خود اپنے مکاتب یا دینی تعلیم کے حلقے نہ ہوں، کتاب تو تعارفی کلمات سے شروع ہوئی مگر اصل ابتدا تو مولانا نعمانی کے ان دو خطبوں سے ہوئی ہے جس میں مولانا نے اپنے درد دل کا اظہار کیا ہے، شہر بستی میں قاضی صاحب نے جلسہ کیا تھا، جس میں مولاناؒ مدعو تھے، مولانا بے حد متاثر ہو کر آئے اور لکھنؤ واپس آکر اپنے رفیق دیرینہ حضرت مولانا علی میاںؒ کو ان باتوں سے باخبر کیا، دونوں نے مل کر انتظام سونچا، قاضی صاحب کو وکالت کا پیشہ چھوڑنے اور اپنے کام میں ہمہ تن مصروف ہونے کا مشورہ دیا اور ضروریات پوری کرنے کے لئے مالی انتظام کا ذکر کیا۔ قاضی صاحب نے اس کو گوارہ نہیں کیا اور پیشہ کو تقریباً ترک کر کے ہمہ تن اس کام میں مصروف ہوگئے۔ جو پودا انھوں نے بویا وہ ایک چھتنار، تناور درخت میں بدل گیا، انھوں نے اپنے کام کو صرف اپنے ضلع تک محدود نہیں رکھا بلکہ صوبائی حد تک لے گئے، میں مولانا نعمانیؒ کی بات پر آمین کہتا ہوں جنھوں نے اس عظیم دینی تعلیمی

تحریک کے بانی اور داعی قاضی صاحب کے عمل کو قبول کرنے کی اور اُن کے ساتھ مغفرت اور رحمت کا خاص معاملہ کرنے کی اللہ سے دعا کی۔

پھر قاضی صاحب کی یادگار تحریریں پڑھنے میں آئیں جو اخلاص اور حوصلہ سے بھرپور ہیں اور جن کو پڑھ کر یہ خیال آتا ہے کہ قاضی صاحب خاصانِ خدا میں تھے۔

دینی تعلیمی کونسل کی خدمات کے متعلق اکابرینِ ملت کے تأثرات پڑھنے کے قابل ہیں، ان حضرات کی تحریروں کا سلسلہ حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ سے شروع ہو کر جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مدظلہ پر ختم ہوتا ہے۔

اس بیچ ایک سے ایک قابل اور محترم لوگوں نے اپنا دل نکال کر رکھ دیا، تقریروں کے اقتباسات اور رسالوں کے شذرات قلب کو جوش اور جذبہ سے بھر دیتے ہیں، ان میں زیادہ تر حضرات مرحومین ہوگئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے۔

اب اس پیغام کا ذکر آتا ہے جو حضرت مولانا علی میاںؒ نے مسلمانانِ ہند بالخصوص مسلمانانِ اتر پردیش کو دیا کہ اس ضروری کام میں حصہ لیجئے جس پر ہندوستانی مسلمانوں کا بحیثیت امتِ مسلمہ اور صاحب ایمان رہنا منحصر ہے۔

حضرت مولانا کی خود نوشت سوانح عمری کاروانِ زندگی سے مصنف نے دینی تعلیمی کام سے متعلق بے حد اہم اقتباسات چنے، قاضی صاحب مرحوم، ظفر احمد صدیقی مرحوم، مولانا محمود الحسن صاحب ناظم دینی تعلیمی کونسل کے کارناموں کا ذکر بے حد جذباتی انداز سے ہے۔ مولانا محمود الحسن مرحوم میرے والد مرحوم سے محبت اور گرم جوشی کا تعلق رکھتے تھے، ان کو دیکھ کر مجھے ہمیشہ مولانا حسرت موہانی کی یاد آئی، اس مخلص اور محبت کا گیت گانے والے کی جگہ تو خالی نہیں رہی مگر وہ بات کو ہکن کی گئی کوہن کے ساتھ۔ پھر کنونشنوں کی روداد اور اجلاس کی صدارت کے خطبوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا، یہ طوالت اُس کی لذت کے سبب سے ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کی افادیت کا بیان اللہ میاں سے کیا ہے، تقریباً سارے خطبوں کا ماحصل ایک ہی ہے کہ اپنی قوت متحرکہ اور قوت منظمہ کو بروئے کار لایا جائے۔

انھوں نے حاضرینِ مجلس سے فرمایا کہ ہمارا اور آپ کا ساتھ ہونا خالص دینی رفاقت کا ساتھ ہے، ہم ایسے مسافر نہیں جو اتفاق سے ایک جگہ اکٹھے ہوگئے ہوں، ہم نے ایک منزل کا انتخاب کیا ہے اور ایک مشترک ذہنی کیفیت کے ساتھ جمع ہوئے ہیں، مخلصانہ ولولے اور ارادے کے ساتھ اللہ کے دین کی خدمت کرنے کا ساتھ ہے۔

حضرت مولانا زبردست عالم دین تھے، علم کے لئے ضروری نہیں کہ اس سے روحانی اثرات بھی مرتب ہوتے ہوں، مگر حافظ شیرازی کا مشہور شعر پوری طرح اُن پر منطبق ہوتا ہے

راہِ خدا کہ عارف وزاہد کسے نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

خطیب الہند مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں مولانا کے لئے یہ شعر پڑھا تھا۔

مولانا کی شانِ جلالی کا میں نے ذکر کیا ہے، اسکولوں میں وندے ماترم اور سرسوتی وندنا کے خلاف جو مولانا نے بیان دیا کہ ہم مسلمان لڑکوں کو اسکولوں سے نکال لیں گے، اس سے حکومت کے ایوان میں زلزلہ آگیا، حکم منسوخ کیا گیا اور وزیر تعلیم کی ''نوکری'' گئی۔

سارے خطبوں کا ماحصل یہ ہے کہ ہم ایسی زندگی گذارنے کے لئے تیار نہیں جس میں بچوں کو مذہب اور عقائد کی تعلیم دینے کی آزادی نہ ہو، علم کی جہاں گیری اور جہاں بینی کا بیان ہے، حضرت نے فرمایا کہ اسلام کے لئے جہالت خطرہ اور علم طاقت وحصار ہے، اسلامی تعلیم اور بنیادی معلومات کی کیا اہمیت اور ضرورت ہے، جس طرح بیٹا باپ کے مال کا وارث ہے اسی طرح عقائد اور افکار کا بھی وارث ہے، مسلمانوں کی ہر نسل صحیح العقیدہ بلکہ راسخ العقیدہ ہو، اُس کی فکر صحیح، اُس کا شعور بیدار، اُس کے اخلاق صالح اور اُس کا عمل مکمل ہو، اُس میں خیر امت بننے کی صلاحیت ہو۔

یہ کتاب عثمانی صاحب نے اس حکم کی تعمیل میں مرتب کی ہے، جو حضرت مولانا نے دینی تعلیمی کونسل کی تاریخ لکھنے کے لئے دیا تھا، اس راہ میں عثمانی صاحب کو بڑی زحمتیں پیش آئیں لیکن انھوں نے لکھا ہے کہ یہ حضرت مولانا کی دعاؤں کا فیض تھا کہ وہ ہمیشہ دل شکستہ ہونے کے بعد نئے حوصلے اور نئے امنگ سے کام میں منہمک ہوگئے، انھوں نے لکھا ہے کہ کبھی راہ کے گرد وغبار سے آنکھیں بند کر لیتا، کبھی ہوا کے خوشگوار جھونکے مجھے شاہراہ پر پہنچا دیتے، چالیس برس کی تقریروں، اور تحریروں کو ایک جگہ اکٹھا کرنا، انھیں پڑھنا اور اُن کی ترتیب قائم کرنا آسان نہ تھا۔

اور بہت سی باتیں لکھی ہیں جن کا بیان مشکل ہے، ع سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے۔ عثمانی صاحب نے یقیناً بڑی محنت کی، بڑی زحمتیں اٹھا کر ایک تاریخی دستاویز تیار کر دی، یہ کتاب ایک طرح سے دائرۃ المعارف کا درجہ رکھتی ہے۔

اب اس تحریر کو اور نہیں پھیلانا ہے، اس شعر پر اسے ختم کرتا ہوں۔

دامانِ نگہ تنگ وگلِ حسن تو بسیار
گلچیں بہار تو زداماں گلہ دارد

ملی مسائل

عربی مدرسوں کے بارے میں کچھ سچی باتیں

مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب

پچھلے کئی برسوں سے ہندوستان میں عربی مدرسے بحث کا موضوع بنے ہوئے ہیں، آئے دن اخباروں میں کچھ نہ کچھ ان کے خلاف چھپتا رہتا ہے، کہ یہ آتنک وادیوں کے اڈے ہیں، دہشت گردی یہاں سے ہورہی ہے، ایسی خبریں اخبارات میں بھی آتی رہتی ہیں اور سیاسی پارٹیاں جو مسلمانوں کو تیکھی نظروں سے دیکھتی ہیں اور مسلمانوں پر زیادہ اعتماد نہیں کرتیں وہ بھی اس کو اچھالتی رہتی ہیں، مسلمان اگر ان کی باتوں کا جواب دیتے ہیں تو شاید وہ اخبارات میں چھپتے نہ ہوں، اس لیے میں یہ خلاصہ اور مدارس سے متعلق سچی باتیں نیشنل پریس کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ وہ میری بات پر غور کریں کہ مدرسے کیا ہیں؟ خود حکومت اور ہمارے اہل وطن بھائیوں میں جن کو شبہ ہو وہ بھی غور کریں۔

مدرسوں کی تاریخ

ہندوستان میں مدرسوں کی تاریخ بڑی لمبی اور بہت پرانی ہے، دراصل مغل سلطنتوں کے دور میں مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کے مراکز نہیں تھے، اور کوئی صحیح رنگ ڈھنگ نہیں تھا، بہت سے مسلمانوں کو نماز پڑھنا بھی نہیں آتا تھا، تاریخ میں ایسا بھی ملتا ہے کہ کچھ لوگ بغداد کی طرف منھ کرکے نماز پڑھتے تھے، اور عام لوگوں کو قرآن بھی پڑھنا نہیں آتا تھا۔ بزرگان دین اور داعیان حق کی دعوت سے جو لوگ اسلام قبول کرچکے تھے ان کی بھی تربیت مسلم حکومت اور سماج کر نہیں سکا، مغل بادشاہوں کو باہمی رنجشوں سے ہی فرصت نہیں تھی، ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے مطابق ایک شخص کو پیدا کیا، یہ تین سو سال پہلے کی بات ہے، شاہ ولی اللہ محدث دھلوی کے نام سے یہ مشہور ہوئے، دنیا کے بڑے علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے، انھوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی تعلیم کا جائزہ لیا کہ ان کی تعلیم وتربیت کس طرح ہو؟ انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا، یہ ترجمۂ قرآن ایک بنیادی ترجمہ ہے، فارسی زبان اس وقت حاکموں کی زبان تھی، حاکم طبقہ کے کام کی یہ چیز ہوئی، چنانچہ وہ اپنے ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں لکھتے ہیں'' میں نے فارسی زبان میں ترجمۂ قرآن اس لئے لکھا کہ حکام کو اللہ کے احکامات معلوم ہوں اور حکومت کرنے میں اس کا خیال رکھیں، جیسے مسلمانوں کے حقوق، اور غیر مسلموں کے حقوق پڑوسیوں کے حقوق نیز اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کے حقوق کیا ہیں؟ ان کے ساتھ ناانصافی نہ ہو، اس طرح کے معاملات میں بادشاہوں کو کیسے فیصلہ کرنا چاہیے، کیسے رہنا چاہیئے، اور بادشاہوں پر رعایا کے کیا حق ہیں؟ یہ سب باتیں ان کو قرآن مجید سے معلوم ہوں''۔

دو اور ترجمے

اس کے بعد سوال یہ پیدا ہوا کہ عام جنتا جو ہے اس کو قرآن مجید کے حکم کیسے معلوم ہوں تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے دو صاحبزادوں نے اردو میں ترجمہ کرکے قرآن مجید کی خدمت انجام دی، ایک کا نام شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ ہے، اور دوسرے کا نام حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ ہے، ایک بھائی نے ایسا ترجمہ کیا جو تحت اللفظ تھا، اسے ایک طرح سے قرآنی ڈکشنری کہنے میں، میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، دوسرے بھائی شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے دیکھا کہ تحت اللفظ ترجمہ یعنی لفظ کے نیچے لفظ کے ترجمہ کو عام لوگ نہیں سمجھ سکیں گے تو انہوں نے بامحاورہ ترجمۂ قرآن کیا جو ''موضح القرآن'' کے نام سے اب بھی چھپتا ہے، اور دنیا کے بہترین تراجم قرآن میں اس کا شمار ہوتا ہے، خاص طور پر ہندوستان میں یہ تین ترجمے ''بنیادی ترجمۂ قرآن'' مانے جاتے ہیں۔

کمپنی بہادر کے انگریزوں نے بھی موضح القرآن کے اس ترجمے سے فائدہ اٹھایا

خود مغلوں کے لشکر میں ہندو، مسلمان، خان، پٹھان، راجپوت، گونڈ یعنی ہر طرح کے اور ہر مذہب کے لوگ شامل تھے، مغلوں کے حکومت کرنے کا طریقہ ہی الگ تھا جس کا دین اسلام سے کچھ زیادہ لینا دینا نہیں تھا، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کے ترجمۂ قرآن سے کمپنی بہادر کے انگریز بھی متاثر ہوئے اور انھوں نے رومن اردو میں اس کا ترجمہ تیار کیا یعنی آواز اردو میں ہو اور لکھاوٹ A.B.C.D. میں ہو، حضرت شاہ صاحبؒ نے جو ترجمہ لکھا تھا اس کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

''اس بندۂ عاجز عبدالقادر کے خیال میں آیا کی جس طرح ہمارے بابا صاحب بڑے حضرت شاہ ولی اللہ عبدالرحیم کے بیٹے سب حدیثیں جاننے والے، ہندوستان کے رہنے والے، فارسی زبان میں قرآن کے معنی آسان کرکے لکھے ہیں اسی طرح عاجز نے ہندی زبان میں قرآن مجید کے معنی آسان کرکے لکھے، الحمدللہ یہ آرزو ۱۲۰۵ھ مطابق ۱۷۹۰ء میں حاصل ہوئی''۔

سماج کی تعمیر اور اصلاح معاشرہ قرآن و حدیث کی روشنی میں

سب کو جاننا چاہیئے کہ جس زبان کو ہم

مسلمان آج ''اردو'' کہتے ہیں وہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے زمانے میں ''ہندی'' کہی جاتی تھی، بہر حال ایک ترجمہ فارسی میں ہوا تاکہ امراء اور حکام، والیان سلطنت احکام الٰہی سے واقف ہوں، اور دوسرا ترجمے ہندی یعنی عوام میں بولی جانے والی زبان ہوئے جس کے ذریعہ سے عوام اللہ تعالیٰ کے احکام اور مرضی ونامرضی سے واقف ہوسکیں، اسی طرح حدیث یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ، وعدے، طریقہ کار اور آپ ﷺ کے اخلاق، ان کی پوری زندگی کے حالات یعنی سماج کی تعمیر اور اصلاح معاشرہ کے بعد حکومتوں اور سلطنتوں کے قیام تک کے ان کی زندگی کے جو معاملات ہیں وہ اس زمانہ کے حضرت محمد ﷺ کے ساتھیوں نے لکھ لئے اور یادداشت وعمل میں بھی محفوظ کرلئے اس کو ''حدیث'' کہتے ہیں۔

ہندوستان میں دینی مدرسوں کا دور

قرآن مجید کا ترجمہ لکھ کر ان تینوں باپ بیٹوں نے قرآن اور حدیث کی تعلیم کو مسلمانوں میں عام کرنے کی کوشش کی، اس میں انھوں نے مغل بادشاہوں سے بھی کوئی مدد نہیں لی، مدرسہ کا لفظ جو ہے وہ ''درس'' سے نکلا ہے، اور ''درس'' کہتے ہیں پٹھن پاٹھنی یعنی پڑھنے اور پڑھانے کو، سیکھنے اور سکھانے کو، اس کے لئے دہلی میں اور ادھر ادھر چھوٹے چھوٹے مدرسے مسلمان عالموں نے کھول لئے، کہیں پانچ بچے اور کہیں دس بچے آرہے ہیں، مسجدوں کے اندر بھی مدرسے شروع ہوگئے کہ نماز کے بعد کسی کو کوئی بات پوچھنی ہے کہ روزہ کیسے رکھا جائے؟ زکوۃ کس پر فرض ہوتی ہے؟ یہ سب باتیں مدرسہ کے عالم بتاتے بھی رہتے تھے، اب ہوتے ہوتے دھیرے دھیرے عربی مدرسوں کی یہ لائن دیہاتوں میں جگہ جگہ پھیلنے لگی، موجودہ دور میں مدرسوں کے بارے میں جو شک کیا جارہا ہے، اس مضمون میں ہم اس کا خلاصہ کریں گے کہ ان مدرسوں میں قرآن وحدیث کی تعلیم کے ساتھ جو سب سے بڑا کام ہوا کہ مدرسے بے سہارا بچوں کے لئے سہارا بنے، ایسے بے سہارا اور غریب لوگوں کے بچے جنہیں ان کے ماں باپ پال پوس نہیں سکتے، ان کو پڑھا نہیں سکتے، ان کو کہیں نوکری اور کام کاج نہیں مل سکتا ایسے بچوں کی تعداد تب بھی زیادہ رہی اور اب بھی ان کی تعداد زیادہ ہی ہے، جن کے پاس پیسہ ہے وہ تو اپنے بچوں کو انگریزی اسکولوں میں بھیجتے ہیں وہ اپنے بچوں کو مدرسہ میں نہیں بھیجتے۔ الا ماشاء اللہ۔

عربی مدرسوں نے اعلیٰ سطح کے علماء اور جنگ آزادی کے رہبر پیدا کیے

مدرسوں میں تو بڑی حد تک بے سہارا اور مجبور لوگوں کے بچے ہی آتے ہیں، مدرسہ میں نچلے طبقہ کے بچوں کے آنے کے باوجود بھی مدارس عربیہ نے بڑے بڑے علماء اور اہل فہم ودانش پیدا کئے، حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحبؒ، حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی صاحبؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ایسے کتنے ہی بے شمار بڑے بڑے علماء ہیں جن کے نام گنائیں تو ہزاروں کی فہرست تیار ہوگی، باوجود اس کے کہ مدرسہ میں عموماً خوشحال وروشن خیال سوسائٹی کے بچے نہیں جاتے لیکن یہ اسلامی تعلیم اور قرآن وحدیث کی تعلیم کا فیض تھا کہ مدرسہ سے پڑھ کر اتنے بڑے بڑے لوگ نکلے، حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ مدرسہ کے آدمی نہیں تھے مگر مدرسہ کے باہر کے بھی نہیں تھے، وہ تو عربی مدرسوں کے علماء کے بھی قائد تھے۔

انگریزوں کے خلاف مدرسوں کے علماء نے کانگریس کا ساتھ دیا

اب یہ کہنا چاہوں گا کہ یہ تحریک تو نہیں بنی لیکن جگہ جگہ علماء بیٹھ گئے، اسی زمانے میں تھوڑا آگے بڑھ کر جنگ آزادی شروع ہوئی، انگریزوں کا دور آیا انھیں ہندوستان سے نکالا گیا، اس میں کانگریس کا جو رول رہا، کانگریس کے اس رول میں بڑی بھاری تعداد ان علماء کی تھی جو مدرسہ سے پڑھ کر نکلے ہوئے تھے اور انھوں نے جنگ آزادی میں کانگریس کا ساتھ دیا، ان علماء حق میں دیوبند، سہارنپور، ندوہ وغیرہ کے سبھی علماء تھے، یہ تو بڑے بڑے مدرسے ہیں جن کو لوگ جانتے ہیں، جنگ آزادی میں حصہ لینے والے زیادہ تر مدرسے کے لوگ تھے، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، تاریخی واقعہ ہے کہ صوبہ یوپی کے ضلع جونپور سے لے کر بنگلہ دیش کے کنارگاؤں تک ۳۰ ہزار عالموں کو انگریزوں نے جنگ آزادی میں حصہ لینے کے جرم میں پھانسی پر چڑھا دیا، یہ سب کے سب ۹۰ فیصد لوگ مدرسہ کے لوگ تھے۔

علماء نے محمد علی جناح کا ساتھ نہیں دیا

پھر یہی علماء جنگ آزادی کے بعد جب مسلم لیگ اور جناح صاحب نے ہندوستان کی تقسیم کرکے پاکستان بنائے جائے کا مطالبہ اٹھایا تو انھوں نے جناح صاحب کا ساتھ نہیں دیا، مسلم لیگ کا بھی ساتھ نہیں دیا، اس لئے وہ علماء ملک کی تقسیم کو صحیح نہیں سمجھتے تھے، مغلوں کے زمانے میں مسلمانوں کی حکومت کا ان کو تجربہ بھی تھا کہ ان کے ہاتھ جب حکومت آئی تو انھوں نے صدیوں حکومت کی مگر کیا کیا؟ وہ ناچ گانے میں مصروف تھے، چوسر کھیلتے تھے، پتنگ اڑاتے تھے، کبوتر بازی کرتے تھے، عشق اور شاعری بھی کرتے تھے، کچھ مسلم بادشاہوں کو چھوڑ کر باقی مسلم بادشاہوں کا رول اور طرز حکومت اسلام سے زیادہ مطابقت نہیں رکھتا تھا، اس میں دو چیزیں میں کہنا چاہوں گا ایک تو یہ کہ مدرسے جب بڑھنے لگے، اور یہاں وہاں مدرسے کھلتے رہے، لوگوں نے اپنی ضرورت کے تحت کھولے، ان مدارس عربیہ میں پڑھائی جانے والی کورس کی کتابیں کون لکھوائے اور کون چھاپے گا تو'' منشی نول کشور'' نام کی ایک ہندو فرم کھڑی ہوگئی، اس نے قرآن اور حدیث کے ترجمہ کروائے اور چھاپے، فقہ کی اور دوسری بہت ساری عربی اور اردو وفارسی کی کتابیں چھاپیں، مسلسل ڈیڑھ سو برس تک اس

فرم نے یہ خدمت انجام دی، بلکہ میں پوری ہمت اور دلیل کے ساتھ کہتا ہوں کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ ہوں، مولانا حسین احمد مدنیؒ ہوں، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ ہوں، وہاں سے حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ تک جتنے بڑے بڑے لوگ ہوئے سب نے منشی نول کشور فرم کی چھپی ہوئی کتابیں پڑھی ہیں، اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس زمانے میں ہندو مسلم عوام کا مدرسوں کے ساتھ تعاون کیسا تھا؟

مدرسوں کی خدمت میں ہندوؤں اور سکھوں کا حصہ

اسی کے ساتھ میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ مسلمان ہاتھ سے قرآن شریف لکھتے تھے، اور یہ بہت بڑی چیز تھی ان کی، یہ ان کی کلا (Art) تھی اور آج بھی یہ جاری ہے، لیکن جب ہندوستان میں چھاپہ خانہ آیا تو سب سے پہلے لاہور میں سکھوں نے ''قرآن مجید'' چھاپا، جب کہ یہ کام مسلمانوں کو کرنا چاہیے تھا مگر مسلم بادشاہوں کو اس کی فرصت کہاں تھی، اب بھی سکھوں کی برادری قرآن مجید کو چھاپ رہی ہے، جے ست سنگھ کے نام سے دہلی میں ایک کمپنی تھی جسے میں نے ۱۹۴۸ء میں دیکھا بھی ہے، جب ششی بھوشن صاحب اس کے ڈائریکٹر تھے، ان سے میری ملاقاتیں بھی تھیں، قران مجید کے بارے میں میرا پچاس سالہ تجربہ ہے، اس زمانے میں ہزاروں روپے کے قرآن شریف ان سے لیتا تھا جب ایک قرآن مجید کا دو روپے ہدیہ تھا، بعد میں کچھ کاروباری ضرورتوں کے تحت انہوں نے ''ادارہ اشاعت اسلام ٹرسٹ'' کے نام سے رجسٹرڈ کروالیا اور آج تک یہ فرم جاری ہے، اس میں اب بھی قرآن مجید اور اس کے تراجم، حدیث پاک وغیرہ کی کتابیں چھپتی ہیں جو مدرسوں کے نصاب تک میں شامل ہیں، منشی نول کشور لکھنؤ، منشی نند کمار اوستھی لکھنؤ اور دیال پرنٹنگ پریس دہلی اتنے تو میری یادداشت میں ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ہوسکتے ہیں، ہندو بھائیوں اور سکھ بھائیوں کی بڑی بڑی فرموں نے کافی تعداد میں قرآن و حدیث کی کتابیں اور مدرسے کے کورس کی کتابیں چھاپی ہیں، اور الحمد للہ تاج کمپنی، فرید بکڈپو وغیرہ کا نام بھی دنیا میں ضرور ہوا، مگر آج بھی ایک نام ''ادارہ اشاعت اسلام ٹرسٹ'' کا ہے، اب بھی ان کا چھاپا ہوا قرآن مجید ہندوستان سے میڈل ایسٹ (Middle-East) تک کے لوگ خریدتے ہیں، ان کا کاغذ پرنٹنگ مشہور ہے، اس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کا اب بھی ساتھ رہا ہے اور یہ سب کتابیں مدرسوں اور مسجدوں میں پڑھائی جاتی ہیں، مگر کہ آتنک وادی کتابیں ہوتیں تو ہندو فرم ''منشی نول کشور'' اور ''جے ست سنگھ'' وغیرہ ان کو کیسے چھاپتے اور کیوں چھاپتے؟ قرآن و حدیث کا کورس اگر ہندوؤں کے خلاف نفرت پھیلانے کا ہوتا تو ڈیڑھ سو برس تک منشی نول کشور صاحب کیسے چھاپتے؟

یہیں رہیں گے یہیں مریں گے

پھر اس کے بعد ایک دور آیا کہ خود میری ایک کتاب ''لغات القرآن'' جو عربی اردو میں تھی اس کو ہندی بھاشا کے اندر نند کمار اوستھی صاحب نے لکھا اور لکھنؤ میں اسے اپنے پریس سے چھاپا، اس کے علاوہ اور بھی میری چھوٹی بڑی کتابیں انھوں نے شائع کی ہیں یہ ہندو مسلم گنگا جمنی تہذیب جسے ہم سیکولر تہذیب کہتے ہیں اسے پروان چڑھانے میں ہندو بھائیوں کا بھی بڑا ہاتھ رہا، ہم یہاں یہ بھی کہنا چاہیں گے کہ پاکستان کی جب تحریک چلی تو مسلم عالموں نے جناح صاحب کا ساتھ نہیں دیا، صرف دو عالموں کا میں نام لیتا ہوں جو تقسیم ملک کے بعد پاکستان گئے یا پہلے سے وہ وہاں ہوں گے ایک تو حضرت مولانا مفتی احتشام الحق تھانوی صاحبؒ اور دوسرے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ باقی علماء دیوبند و سہارنپور وغیرہ سب حضرت مولانا ابوالکلام آزاد صاحبؒ کے اثر میں تھے اور کوئی بھی پاکستان گیا نہیں، ان علماء اور مدرسے والوں کی وجہ سے بڑی تعداد میں مسلمانوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ہندوستان میں رہیں گے، یہیں مریں گے اور اس ملک کو اپنا وطن بنائیں گے اور اپنے دین و ایمان پر قائم رہتے ہوئے ملک کی خدمت بھی جیسی بن پڑے گی وہ کریں گے۔

تقسیم کے بعد دونوں ملکوں میں فاصلے بڑھ گئے

تقسیم ملک کے بعد تھوڑے فاصلے بڑھ گئے، ایسے حالات میں مسلمانوں نے اعتدال کی راہ اختیار کی اور اپنے ملک کی تعمیر اور ترقی میں وہ لگ گئے، ہندوستان کی تعلیمی حالت یہ ہے کہ چھوٹے بچہ کا K.G. کے اندر داخلہ ہو تو اسکول کے ذمہ دار ڈیڑھ لاکھ روپے ڈونیشن کے لئے آج بھی مانگتے ہیں، میرا خود ذاتی تجربہ ہے کہ میرے ایک دوست بلجیت رائے کوہلی صاحب لاہور سے ہندوستان آئے اور ناگپور میں بس گئے، ان کے نواسہ کو دہلی کی انگلش میڈم اسکول میں داخلہ کرانا تھا تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ اس سے سفارش کرو، اس سے کہو، میں نے کئی ایک بڑے لوگوں سے کہا، خط بھی لکھے لیکن داخلہ نہیں ہوا اور جب کسی طرح ہونے کا وقت آیا تو اسکول کے انتظامیہ نے K.G. میں داخلہ کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپے طلب کئے، جب کوہلی خاندان یہ رقم دینے کے لئے تیار ہوا تو اسکول انتظامیہ کی طرف سے چار لاکھ روپے کا مطالبہ ہونے لگا، اب میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ K.G. میں داخلہ کے لئے جب اتنی بڑی رقم خرچ کرنی پڑتی ہے تو اوسط درجہ کے لوگ اور غریب انسان اپنے بچوں کو کس طرح تعلیم دلائیں گے؟ اب میں سناتا ہوں آپ کو عربی مدرسوں کی بات۔

تعلیم دیتے، ہیں کھانا کھلاتے ہیں، بے سہارا لڑکوں سے کچھ بھی نہیں لیتے

اب رہی بات مدرسہ والوں کی تو وہ بچے کے ماں باپ سے پانچ پیسہ بھی داخلہ کے نہیں لیتے، مثال کے طور پر مدرسہ میں کوئی آدمی گیا اور کہا کہ صاحب مزدور آدمی ہوں، میری عورت کا انتقال ہوگیا ہے، مولانا! میرے بچوں کو سنبھالو میں اپنے پاس رکھ نہیں سکتا، تو مدرسہ والے اسے رکھ لیتے ہیں، تین وقت بچہ کو کھانا کھلاتے ہیں، کپڑے بھی دیتے ہیں، دوا علاج کا بھی خرچ برداشت کرتے ہیں، اس کو پڑھنا سکھاتے ہیں، قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے ہیں، نماز کے آداب، مسائل، زندگی کی ضروری چیزیں سکھاتے ہیں، قرآن مجید کا حفظ بھی کراتے ہیں، جسے سنسکرت میں ''کنٹھستھ'' کہتے ہیں، ہندوستان میں جتنا حفظ قرآن ہے اتنا پوری دنیا میں کہیں نہیں ہے یعنی حافظ قرآن بغیر دیکھے ہی قرآن مجید پورا پڑھ سکتا ہے، رمضان المبارک میں تراویح میں حافظ محراب میں کھڑے کھڑے پورا قرآن مجید سناتا ہے اور سینکڑوں نمازی کھڑے ہوکر سنتے ہیں، میں ہندو بھائیوں سے کہتا ہوں کہ رمضان میں کسی مسجد میں جاکر دیکھیں کہ ایک آدمی محراب میں کھڑے کھڑے بغیر دیکھے قرآن مجید پڑھتا ہے اور ہزاروں لوگ اس کے پیچھے کھڑے ہوکر سنتے ہیں، یہ مدرسہ کا ہی کوئی آدمی ہوتا ہے، جو لوگوں کو قرآن مجید پڑھ کر سناتا ہے اور محلہ و پاس پڑوس کے بچوں کو مسجد میں جمع کرکے قرآن مجید اور دینی مسائل کی تعلیم دیتا ہے۔

مدرسے والوں کی ایک بھول

ایسے مسلمانوں نے اور مدرسہ والوں نے بھی ایک غلطی کی کہ ہمارے ہندو بھائیوں میں جو پڑھے لکھے اور سمجھ دار لوگ تھے انھیں اگر مسجد اور مدرسہ میں بلاتے رہتے اور ان سے رابطہ رکھتے تو شاید آج جو صورت حال ہے وہ پیدا نہیں ہوتی اور جو بدگمانی ہوگئی ہے وہ بھی نہیں ہوتی، کوئی جلسہ ہو، بچوں کا امتحان ہو، یا طلبہ کو انعام دیا جارہا ہو، یا دستار بندی وغیرہ ہو، ایسے موقع پر پاس پڑوس کے سمجھدار اور پڑھے لکھے غیر مسلم بھائیوں کو بلالینا چاہیئے کہ وہ بھی آئیں اور دیکھیں کہ مدرسہ کیا ہے اور اس میں کیا ہورہا ہے؟ مدرسہ کے ذریعہ غریب یتیم اناتھ بچوں کی تعلیم و تربیت، پڑھائی لکھائی کا انتظام کرنا یہ ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی لائن اور ترتیب ہے، تعلیم کے ساتھ کھانے پینے اور کپڑے، دوا علاج کا خرچ بھی مدرسہ کرتا ہے، اور یہ مدرسہ سے روپیہ آٹھ آنہ کے مسلمانوں کے چندہ سے چلتے ہیں، مسلمان بادشاہوں سے بھی ہمارے عالموں نے مدرسہ کے لئے پیسے نہیں لئے، کیا آج بھی حکومت ہند، پاکستان اور بنگلہ دیش کی حکومت بھی یہ کہہ سکتی ہے کہ وہ مدرسوں کو پیسہ دیتی ہیں، مدرسہ کے ذمہ داروں نے ہر زمانے میں عام مسلمانوں کے معمولی چندہ کو مدرسہ کے لئے قبول کیا مگر کبھی کسی حکومت سے کوئی مدد نہیں لی۔

مولانا علی میاںؒ کی ایک تقریر اور یوپی کے وزیر اعلیٰ بھوگنا صاحب

۱۹۸۰ء کے آس پاس کی بات ہے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحبؒ نے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ایک عالمی کانفرنس بلائی، اس میں عرب ملکوں اور عرب حکومتوں کے نمائندے بھی آئے تھے، انھوں نے بڑے بڑے چیک مولانا علی میاں صاحبؒ کو دئے لیکن مولانا علی میاں نے شکریہ کے ساتھ چیک ان کو واپس کردیئے اور کہا کہ تمھارے پاس سونے کی چڑیا ہے وہ ہمیں نہیں چاہیئے، یہ سونے کی چڑیا کسی دن اڑ جائیگی، ہم عام مسلمانوں کے چار آنے آٹھ آنے، روپیہ دو روپیہ کے چندہ سے انشاء اللہ اپنے مدرسے چلالیں گے، ہم تو اس جلسہ سے محض یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مدرسہ کی تعلیم یہ ہے، اور یہ اس کی زندگی ہے، اسی سے مصر کی ''الازھر یونیورسٹی'' کا بھی تعلق رہا، سعودی عرب کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں کا تعلق رہا، ہمارے لڑکے وہاں جاکر پڑھتے اور وہاں کے لڑکے یہاں آکر تعلیم حاصل کرتے ہیں، آج کتنے ہی مدرسے ایسے ہیں جن کا کسی درجہ میں ذمہ دار بھی ہوں، انڈونیشیا کے ''جاوا'' کے ''سماترا'' کے بلکہ عرب ملکوں کے بھی لڑکے ہندوستانی مدرسوں میں پڑھنے کے لئے آتے ہیں، یہ ہندوستان کی شان ہے یا اس کی بے عزتی؟ یہ مولانا علی میاں صاحبؒ کی تقریر کے الفاظ ہیں۔ اس جلسہ میں یوپی کے وزیر اعلیٰ ہیم وتی نندن بہوگنا صاحب بھی موجود تھے۔

گنگا پرشاد کے لئے سیٹ خالی چھوڑی

پھر یہ دیکھئے کہ مدرسہ میں بعض ہوشیار لڑکے ہوتے ہیں جو عربی زبان پر خاصا ملکہ حاصل کرلیتے ہیں، ان کو عربی بول چال اور عربی میں لکھنا آگیا، عربی ٹائپنگ اور کمپیوٹر سیکھ لیا کسی طرح دہلی پہنچ گئے، دہلی میں عرب ملکوں کے پچاسوں سفارتخانے ہیں اس میں ان کو آسانی سے نوکری مل جاتی ہے اور کسی کسی کو سفارتخانے والے باہر اپنے اپنے ملکوں میں ملازمت کے لئے بھیج دیتے ہیں، مدرسہ سے پڑھے ہوئے اس لڑکے کو اگر ہزار ریال نوکری کے ملتے ہیں یہ بہت چھوٹی بات ہے لیکن دس دس، پندرہ پندرہ ہزار ریال ماہانہ کمانے والے ہوجاتے ہیں، ہندوستانی سکہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو مدرسہ سے پڑھا یہ لڑکا ایک مہینہ میں ایک لاکھ سے دو لاکھ روپیہ تک کمالیتا ہے، کویت، دبئی، بحرین، سعودی عرب، برونائی وغیرہ میں مدرسہ سے پڑھے ہوئے اس لڑکے کو ملازمت مل جاتی ہے تو وہاں سے اپنے ملک ہندوستان کو ''فارن کرنسی'' بھی بھیجتا ہے، جب کہ ہندوستان کا نہ پانی پی رہا ہے اور نہ کھانا کھا رہا ہے اور یہاں ہندوستان میں اپنے ایک وطنی بھائی گنگا پرشاد کے لئے خالی سیٹ بھی چھوڑ جاتا ہے، تو اب مجھے کوئی بتائے کہ اس مدرسہ کے لڑکے نے اپنے ملک ہندوستان کو فائدہ پہونچایا یا اسے نقصان پہنچایا؟ یہ بات سوچنے کی ہے۔

جاری۔۔۔۔۔۔

آئندہ شمارہ میں

۱۔ ترکی کی حالیہ صورت حال کا جائزہ
از مولانا نذر الحفیظ ندوی

۲۔ مدارس کو درپیش صورت حال پر مضمون کی دوسری قسط
از مولانا پاریکھ صاحب

۳۔ مولانا عتیق احمد بستوی کے قلم سے کتابوں پر تبصرہ

۴۔ اسلامی بیداری کی نئی لہر کا جائزہ
از مولانا الیاس بھٹکلی

۵۔ ابوالخیر برقؒ پر مولانا محمود حسنی کا مضمون

۶۔ جمعیت ابناء ندوۃ العلماء امارات کی تشکیل نو

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ

مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی

غارِ حرا سے آنے والی اس آواز کو سنو جو زندگی کی حقیقت لوگوں پر واضح کر رہی ہے یہی وہ آوازِ حق ہے جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند کیا اور جس نے کائنات کے رخ سے پردہ کو ہٹادیا، قبلۂ خزرج کے شہسوار اور راہ حق کے مسافر ابودجانہ نے اس آواز کی گونج سنی تو بے چین ہوگئے جیسے ان کو اپنا گوہر مقصود نظر آگیا ہو، وہ اس کی طرف لپکے اور آگے بڑھ کر انھوں نے اس آواز پر لبیک کہا۔

وہ اسلام کی نعمت سے سرفراز ہوئے تو دنیا ان کی تلوار سے ڈرنے لگی اور ان کو وہ لازوال دولت ہاتھ آئی جس سے وہ اب تک محروم تھے۔

ابودجانہ سماک بن خرشۃؓ مسلمان ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صحابہ کی صف اول میں جگہ دی، لیکن ابودجانہؓ کے ایمان پر کبر وغرور کا کوئی سایہ نہ منڈلایا وہ اسی طرح متواضع، ویسے ہی خاکسار بھی رہے جس طرح پہلے تھے، ایمان کی بشاشت سے معمور سینہ، اللہ اور آخرت کے یقین سے معمور قلب، خشوع وخضوع کے نور سے شفاف روح، یہ تین وہ صفات تھیں جو خزرج کے اس شہسوار میں موجود تھیں اور آج بھی اس کا نام عرب کے صحرا وبادیہ میں ہر جگہ گونج رہا ہے۔

جبل احد کے دامن میں ایک جھنڈا نمودار ہوا، پیغام حق اور رسول برحق کا جھنڈا جس کی بلندی کو کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی تھی، جھنڈا اعلان جنگ کے ساتھ فضاؤں میں لہرایا، مسلمانوں کا لشکر کفار کے عظیم لشکر سے ٹکرایا، لشکر کے وسط میں ابودجانہ سر پر سرخ پٹی باندھے ہوئے شعلہ کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

قریش کا لشکر اس شعلہ کی تاب نہ لاکر بھاگنے لگا، ابودجانہ انتہائی بے جگری کے ساتھ دشمن کی صف میں گھس کر اپنا زور دکھاتے رہے اور احد کے دامن میں خزرج کے شہسوار کا کارنامہ جریدۂ تاریخ پر ثبت ہوگیا اور اسلامی تاریخ میں ایک بہادر وشجاع کا اضافہ ہوگیا۔

مسلمانوں کے لشکر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا پھر ایک دفعہ لہرایا اور ایک آواز فضا میں گونجی، اس تلوار کا حق کون ادا کرسکتا ہے؟ کون اس تلوار کو لیتا ہے؟ مسلمانوں کے تمام شہسوار لینے کے لئے آگے بڑھے آپ نے کسی کو نہیں دیا، شہسواروں نے آپ سے دریافت کیا کہ اس تلوار کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا:

''دشمن کو اس طرح مارا جائے کہ وہ اٹھ نہ سکے'' یہ سن کر سب لوگ خاموش ہوگئے، لیکن ابودجانہ فوراً ہی اٹھ کر بولے، یارسول اللہ میں اس تلوار کا حق ادا کرنے کے وعدہ کے ساتھ اس کو لینا چاہتا ہوں۔ آپ نے تلوار دے دی۔

ابودجانہ نے سرخ پٹی نکالی اور اپنے سر کو اس سے باندھ لیا، انصار کی جماعت نے کہا کہ ابودجانہ نے موت کی پٹی باندھ لی۔

اتنے میں دونوں لشکروں کے درمیان پھر جنگ شروع ہوگئی، ابودجانہؓ نے اپنا جوہر دکھانا شروع کیا، کافروں کا لشکر بھاگنے لگا، قریش کے بہادر قتل ہوکر گرنے لگے ایک کافر کی چیخ نے ان کے ہاتھ کو روک دیا، دیکھا تو وہ ایک عورت تھی، ابودجانہ نے اس کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار اس سے بلند تر ہے کہ وہ کسی عورت کو قتل کرے۔

لشکر میں ایک نغمہ گونجا، آواز میں انتہا درجہ کی شیرینیت اور مٹھاس محسوس ہورہی تھی، سب کے کان متوجہ ہوگئے، لوگوں نے سنا کہ ابودجانہ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

''مجھ سے میرے محبوب نے نخلستان کے قریب یہ وعدہ لیا ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی تلوار سے کبھی بھی کسی بزدل کو نہیں قتل کروں گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا پھر لہرایا، اس وقت کچھ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ رہے تھے، لیکن جو لوگ ثابت قدم رہے ان میں ابودجانہ سب سے آگے تھے، اور کفار کا لشکر جب بھی آگے بڑھتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہتا تو ابودجانہؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آگے بڑھ کر ان کا خاتمہ کردیتے، دیکھتے دیکھتے قریش کا لشکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر طرف سے پل پڑا اور تیر برسانے لگا تو ابودجانہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حفاظت میں لے لیا اور قریش کا تیر ان کی پیٹھ پر برستا رہا۔

ابودجانہ حضور کے لئے ڈھال بنے ہوئے تھے، نہ کسی تکلیف کا احساس تھا نہ زخم کی پرواہ، انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے موت پر بیعت کی اور آپ کے لئے اپنی جان کو یہ کہتے ہوئے ہبہ کردیا:

''میری جان آپ کی جان کے لئے اور میری آنکھ آپ کی آنکھ کے لئے ڈھال ہے''

قریش کا لشکر فدائیت کا یہ منظر دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا، لیکن وہ صحابہ کرامؓ کی بہادری کو دیکھ کر بھی عبرت نہیں حاصل کرسکا، وہ بہادر ابودجانہ کی قوت ایمانی کے سامنے بھی اپنے کفر کو خیرباد کہنے پر راضی نہ ہوا۔

صرف جبل احد کے دامن میں خزرج کے شہسوار ابودجانہ نے یہ جوہر نہیں دکھایا بلکہ وہ ہر واقعہ اور ہر معرکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور ہمیشہ ایک ممتاز سپاہی کی حیثیت سے انھوں نے

آئے، بنوحنیفہ کے بڑے بڑے سرداران پر حملہ آور ہوتے اور وہ سب کو ایک وار میں ختم کردیتے تھے۔

جب مشرکین اخیر میں قلعہ بند ہوگئے اور مسلمانوں کے لشکر نے ان کا محاصرہ کیا تو اس میں بھی ابودجانہ سب سے آگے رہے اور برابر کوشش کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ قلعہ میں داخلہ ہوگئے، گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی، ابودجانہ کی تلوار اپنا جوہر دکھانے لگی۔

اسی اثنا میں ابودجانہ زخمی ہوگئے، لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے، برابر لڑتے رہے تا آنکہ ان کا قدم زخموں کی تاب نہ لاکر لڑکھڑایا، ابھی فتح کے نقوش ابھر ہی رہے تھے کہ وہ شہید ہوگئے، اور تاریخ نے ان کی سرفروشی اور ان کی جانبازی کے قصہ کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کرلیا اور جریدۂ عالم پر ان کا دوام ایک حقیقت بن کر ثبت ہوگیا۔☆☆

دور حاضر کا اہم سوال

معصوم بچوں کو کفر وشرک سے کیسے بچایا جائے؟

اگر آپ واقعی فکرمند ہیں کہ آپ کے بچے کفر وشرک کے قریب نہ جائیں اور شروع ہی سے ان معصوم بچوں کے ذہنوں میں ایمان واسلام کی تخم ریزی ہو، اور اللہ ورسول کی محبت وعظمت ان کے دلوں میں بیٹھ جائے تو آج ہی آپ ——

حکیم شرافت حسین صاحب رحیم آبادی

کا تیار کردہ نصاب تعلیم مکتبہ دین ودانش مکارم نگر لکھنؤ سے حاصل کیجئے۔

اس کامیاب نصاب تعلیم کی شہادت اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء کرام نے دی ہے، اندرون اور بیرون ملک کے ہزاروں مکاتب اور مدارس نے اپنے کورس میں اسے شامل کیا ہے۔ کتابوں کی مفصل فہرست کتب اور معلومات مکتبہ سے حاصل کیجئے۔

مکمل اٹھارہ کتابوں کے سیٹ کی رعایتی قیمت صرف ایک سو روپے ڈاک خرچ 30 روپے

مکتبہ دین ودانش، مکارم نگر، لکھنؤ

فون نمبر 0522-327970

وما ارسلناك الا رحمة للعلمين

حضرت امیر مینائی

خلق کے سرور، شافع محشر، صلی اللہ علیہ وسلم
مرسل داور، خاص پیمبر، صلی اللہ علیہ وسلم

نور مجسم، نیرِ اعظم، سرور عالم، مونسِ آدم
نوح ؑ کے ہمدم، خضرؑ کے رہبر، صلی اللہ علیہ وسلم

فخرِ جہاں ہیں، عرشِ جہاں ہیں، شاہِ شہاں ہیں، سیفِ زباں ہیں
سب پہ عیاں ہیں آپ کے جوہر صلی اللہ علیہ وسلم

قبلۂ عالم، کعبہ اعظم، سب سے مقدم، راز کے محرم
جانِ مجسم، روحِ مصور، صلی اللہ علیہ وسلم

دولتِ دنیا خاک برابر، ہاتھ کے خالی، دل کے تونگر
مالک کشور، تخت نہ افسر، صلی اللہ علیہ وسلم

رہبر موسیٰؑ ہادیٔ عیسیٰ، تارکِ دنیا، مالک عقبیٰ
ہاتھ کا تکیہ، خاک کا بستر، صلی اللہ علیہ وسلم

سروِ خراماں، چہرہ گلستاں، جبۂ تاباں، مہرِ درخشاں
سنبل پیچاں، زلفِ معنبر، صلی اللہ علیہ وسلم

چشمۂ باری، خاصۂ باری، گردِ سواری، بادِ بہاری
آئینہ داری فخرِ سکندر صلی اللہ علیہ وسلم

مہر سے مملو ریشہ ریشہ، نعت امیرؔ ہے اپنا پیشہ
ورد ہمیشہ رہتا ہے لب پر، صلی اللہ علیہ وسلم

صہیونیت

دسویں گائے جسے نکال لیا گیا ہے!

یہودی کب اسے ذبح کریں گے؟

تحریر: عبدالعزیز مصطفیٰ کامل ——— ترجمانی: مولانا سید سلمان الحسینی ندوی

غالی یہودی فلسطین کے انجام کو ایک گائے کے انجام سے جوڑتے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ یہودیوں کا "گائے" سے کس نوعیت کا تعلق ہے، لیکن ہمیں ضرور معلوم ہے کہ یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک بچھڑا سونے کا بنا کر اس کی پوجا کی تھی۔ (دیکھئے سورۂ اعراف (۱۴۸)

ہمیں گائے کے معاملہ میں ان کا ایک اور قصہ معلوم ہے جس کا تذکرہ قرآن پاک کی سورۂ بقرہ (گائے کی سورہ) میں فرمایا گیا ہے اور اس سورہ کا نام سورۂ بقرہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہودیوں کی حیلہ جو، بہانہ ساز، نافرمان اور خبیث فطرت کا اظہار کیا جائے، ان کے نبی نے گائے ذبح کرنے کا ان کو حکم دیا تھا لیکن انھوں نے اپنے اولوالعزم پیغمبر سے حیل وحجت کی انتہا کردی، اور یہی وہ مزاج تھا جس نے ان سے انتخاب الٰہی کی دولت چھنوادی، اور در در کی ٹھوکریں کھانے پر انہیں مجبور کردیا، لیکن اس حال میں بھی وہ یہی دعویٰ کرتے رہے کہ "ہم اللہ کے لاڈلے پیارے اور بیٹے ہیں"۔ (دیکھئے سورہ المائدہ:۱۸)

یہودیوں کو اپنے تاریخی افسانوی اور قدیم روایات ورسوم سے بڑی دلچسپی ہے، گویا کہ وہ چاہتے ہیں کہ زمانی خصوصیت، اور کلی اختصاص "اللہ کی منتخب قوم" اور مکانی فضیلت سرزمین مقدس کی اکٹھا کرلیں، لیکن افسوس! افسانے کیا حقائق اور تقدیر کے فیصلوں کو بدل سکتے ہیں؟

ایک افسانہ بیل کے ڈکارنے کی آواز کا:

۱۹۲۰ء کی بات ہے جب صہیونی یونین اور انگریزوں کے درمیان انگریزوں کی عارضی حکومت کے بعد فلسطین کو یہودیوں کے حوالہ کرنے کے موضوع پر گفتگو چل رہی تھی تو زیر بحث موضوعات میں ایک موضوع ہیکل کے پہاڑ کی ملکیت کا تھا، انگریزوں نے اس وقت سوال کیا تھا کہ "یہ مطالبہ فوری ہے یا تاخیر کا متحمل ہے؟ یا یہودی اس سے کس قدر متفق ہیں؟ تو حاخام "راف کوک" نے کہا تھا:

"پوری قوم یہود اس پر یقین رکھتی ہے جو متزلزل نہیں ہوسکتا یہ مقدس جگہ اور ہیکل کا پہاڑ یہودی قوم کی ابدی عبادت گاہ ہے، آج اگرچہ وہ دوسروں کے ہاتھوں میں ہے، لیکن آخرش ہمارے ہاتھوں میں آجائے گا، اور جب ہیکل کی زمین ہمارے ہاتھ آجائیگی تو "رب" (سرخ گائے) کی طرف سے اشارہ دیا جائے گا، اور پھر ہم فوراً تعمیر شروع کردیں گے؟ بنی اسرائیل کے انبیاء نے اسی کی پیشن گوئی کی ہے۔

(دیکھئے اخبار الشرق قطر ۱۳/۵/۱۹۹۷ء، اسرائیلی اخبار "معاریف")

"حاخام" نے جس پیشین گوئی کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ اصحاح نمبر ۱۹ کتاب گنتی، تورات میں یوں ذکر کی گئی ہے:

"رب سے موسیٰ اور ہارون نے بات کی، فرمایا کہ شرعی فریضہ ہے جس کا رب نے یہ کہتے ہوئے حکم دیا ہے کہ بنی اسرائیل سے کہو کہ وہ تمہارے پاس ایک سرخ صحت مند گائے لائیں، جس میں کوئی عیب نہ ہو اور نہ اس پر جوار کھا گیا ہو، اور پھر تم اس کو "العازار" کاہن کے حوالہ کردو، اور محلہ سے باہر اس کے سامنے اس کو ذبح کیا جائے اور کاہن اس کا خون اپنی انگلی سے لے اور سات سال تک اجتماع کے خیمہ کے سامنے اس کے چھینٹے دیئے جاتے رہیں، اور اس کے سامنے گائے جلائی جائے، اس کی کھال، اس کا گوشت، اس کا خون مع گوبر جلایا جائے، کاہن سرو، "زوف" اور "قرمز" کی لکڑی گائے کے جلانے کے دوران بیچ میں ڈالے گا، پھر کاہن اپنے کپڑے دھوئے گا۔"

پھر اس میں اس کا سبب بھی بتایا گیا ہے کہ:

"گائے بنی اسرائیل اور ان کے درمیار ہنے والے کے لئے ابدی فریضہ ہے۔"

لیکن یہودیوں نے اس "فریضہ" کو پیشین گوئی اور "رب کا اشارہ" بتا کر کیوں چھوڑ دیا، واقعہ یہ ہے کہ وہ اس کے اور ہیکل کی تعمیر کے درمیان ایک رابطہ قرار دیتے ہیں، لہٰذا "فریضہ" کی پیشین گوئی یا سرخ گائے ان کے نزدیک اس بات کی علامت ہوگی کہ جس زمانہ میں اس کا ظہور ہوگا وہی زمانہ تیسرے ہیکل کا زمانہ ہوگا۔

شاید اسی وجہ سے یہودی ان موضوعات پر گذشتہ دنوں میں گفتگو نہیں کرتے تھے جب انہیں اقتدار حاصل نہیں تھا۔

متدین یہودیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے، دو ہزار سال پہلے، یہودی سرکار بادشاہوں -اول ودوم، کے زمانہ میں ایک چھوٹی سرخ گائے کی راکھ (جس کو تین سال کی عمر میں ذبح کیا گیا تھا) اور خون پانی میں ملایا گیا تھا اور اس کو یہودی قوم کی طہارت کے لئے استعمال کیا گیا تھا وہ مقدس ہیکل میں داخلہ کی اہل ہوجائے، ان کا یہ بھی عقیدہ ہے ۷۰ء سے جبکہ ہیکل کو ڈھایا گیا، پوری تاریخ یہودی میں آج تک کوئی ایسی گائے نہیں پیدا ہوئی جو مطلوبہ اوصاف کی حامل ہو۔

یہودی مذہبی تاریخ کے مطابق "ہیکل اول" کے زمانہ میں صرف ایک سرخ گائے ذبح کی گئی تھی اور دوسرے ہیکل کے زمانہ میں آٹھ گائیں ذبح کی گئیں۔

اب آج وہ "تیسرے ہیکل" کے مرحلہ کی اور

"دسویں گائے" کے زمانہ کی تیاری کررہے ہیں۔

گائے کی تلاش:

اب یہ بات راز نہیں رہی کہ یہودی بڑی سرگرمی سے مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرۃ کو نعوذ باللہ ڈھا کر ہیکل کی تعمیر کی فکر میں لگے ہیں، کیوں کہ ان کا عقیدہ ہے کہ ہیکل کو وہی لوگ آباد کریں گے جو "پاک" ہوں گے اور پاکی گائے کی راکھ سے حاصل ہوگی، اور گائے قریبی دور تک نامعلوم ومفقود تھی، اس لئے اس وقت نئی صدی کے ساتھ ان کی کوششیں گائے کی تلاش میں بہت تیز ہوگئی ہیں، اس گائے کو ظاہر ہونا ہے، خواہ کروڑوں گایوں میں سے اسے ڈھونڈ نکالا جائے، ہاں ایسا ہی ہوا بھی!

چند سال پہلے ایک امریکی کاہن نے جس کا نام "کلائڈلاٹ" ہے اور جو انگلیکن بنیاد پرست، تیسرے ہیکل کی تحریک، باقی تنظیم سے وابستہ ہے یہ عہد کیا کہ وہ اپنی زندگی تورات کی مطلوب صفات کے ساتھ پائی جانے والی گائے کی تلاش میں صرف کردے گا اور اس نے ہر ایسے پروجکٹ کی مدد کے لئے اپنے کو وقف کردیا جو "ہیکل" کو عبادت کے لئے وجود میں لانے کا ذریعہ ہو۔

۱۹۸۹ء میں اس کاہن اور اسرائیل حاخام (حاییم ریشمین) کے درمیان- جو مقدس ہیکل انسٹی ٹیوٹ میں کام کرتا ہے، کئی میٹنگیں ہوئیں، جن میں ریشمین ریڈیونفوس نسل کی (جو سرخی مائل ہوتی ہے) گائیں پالنے اور ان کی افزائش کے لئے فارم قائم کرنے کی تجویز رکھی، جس سے کاہن نے اتفاق کیا اور امریکہ کے مسیپلیسی صوبہ میں وہ فارم کردیا گیا، کاہن نے بعد میں اس فارم کی ایک شاخ فلسطین کے شہر جیفا میں بھی قائم کی ہے، یہ سب کچھ "منتظر گائے" کی پیدائش کے انتظار وامید میں کیا گیا ہے۔

گائے کی دریافت کا اعلان:

اور آخر دو ہزار سال بعد یہودیوں نے یہ اعلان کرہی دیا کہ ان کو ان کی گمشدہ متاع مل گئی، "گائے" ظاہر ہوگئی۔

ماہ اکتوبر ۱۹۹۶ء میں ایک سرخ گائے کی پیدائش کا اعلان کیا گیا جو بالکل عین ان اوصاف کے مطابق ہے جن کا تورات میں ذکر کیا گیا ہے، اعلان کیا گیا کہ "کفار حسیدیم" نامی فارم میں یہ گائے پیدا ہوئی ہے، فوراً "حاخاموں" کا ایک وفد "نومولود" کا جائزہ لینے پہنچ گیا، اور پھر انھوں نے اعلان کردیا کہ ہاں یہ گائے تورات کے مطلوبہ اوصاف کے مطابق ہے، انھوں نے اپنے لئے برکت کی دعائیں کی اور اس کی زبردست نگرانی کے احکامات جاری کردیئے

(دیکھئے اخبار "الاخبار" مصر ۲۵ اپریل ۱۹۹۷ء)

گائے کا اعلان امریکا اور برطانیہ کے یہودیوں اور ان کے پروٹسٹنٹ حامیوں کے ہزارہ سوم کے بخار وجنون کے ایک نئے مرحلہ کی ابتدا ہے، ذرائع ابلاغ نے توقعات، پیشن گوئیوں اور اندیشوں کے ساتھ خبریں دیں۔

برطانوی اخبار "آبزرور" نے ۹/۷/۱۹۹۷ء کی اشاعت میں لکھا تھا "سرخ گائے اپنی پیدائش کے تین سال کے بعد مذہبی طور پر ذبح کی جائے گی اور اس طرح یہودیوں کی سابق عبادت گاہ کی طرف واپسی کا دور شروع ہوجائے گا اور نجات دہندہ "مسیح" کی آمد کی خوش خبری ہوگی، لیکن اس واپسی کا عمل ایک ایسے آغاز کی طرف لے جائے گا جس کو "ہزارہ سوم" کے لئے یاد رکھا جائے گا۔

ہزاروں یہودی (دیندار اور غیر دیندار) "کفار حسیدیم" کے علاقہ میں اس "افسانوی مخلوق" کو دیکھنے کے لئے جمع ہوئے، انتشار اور بھیڑ پر قابو پانے کے لئے یہودی سرکاری حلقوں نے "گائے" کی زیارت کے لئے محکمہ سیاحت کی طرف سے انتظامات کئے، یہودیوں میں اس "معجزہ" کو دیکھ کر مسرت وخوشی کی لہر دوڑ گئی، اور اس طرح انتہا پسند یہودی مذہبی تنظیموں کو ایک موقعہ تعصب، جوش مذہبی اور نسل پرستی کو بھڑکانے کا ہاتھ آیا۔

گائے کا نام "میلوڈی" رکھا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آخری دور کی ایک علامت ہے، اور بہت سے لوگوں کو یہ توقع ہے کہ اسی گائے کا خون یہودی قوم کو پاک کرنے کی تقریبات میں استعمال کیا جائے گا، کیوں کہ ہیکل میں عبادت کے لائق یہ قوم اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک کہ اس کو اس کی راکھ اور خون کی ملاوٹ والے پانی سے پاک نہ کردیا جائے، تورات میں فرمایا گیا ہے:

"جو پاک نہیں ہوگا، وہ رب کے مسکن کو نجس کردے گا" (دیکھئے تورات، کتاب گنتی اصحاح ۱۹)

بعض یہودی خیال کرتے ہیں کہ یہ گائے وہ گم شدہ اور مطلوب ہمزۂ وصل ہے جو ہیکل کی تعمیر نو سے واسطہ قائم کرتا ہے، یہاں تک کہ بنیاد پرست متعصب یہودی "یہود الاترین" نے جو ۱۹۸۵ء میں قبۃ الصخرۃ کو دھماکہ سے اڑانے کی کوشش کا ملزم تھا، گائے کے ظہور کے بعد اس تاریخی واقعہ پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"ہم دو ہزار سال سے رب کے اشارہ کے منتظر ہیں، اب اس نے "سرخ گائے" بھیج دی، اس کا ظہور اس بات کی دلیل ہے کہ ہم فضیلت والے زمانے میں زندگی گذار رہے ہیں، اس لئے مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرۃ ہیکل کے پہاڑ سے جلد ہٹانا اور ان کے ملبہ کو مکہ منتقل کردینا بہت ضروری ہے"۔

(دیکھئے السیاسۃ کویت ۳۰/۱۰/۱۹۹۷ء)

متعصب یہودیوں نے اس کے بعد اس واقعہ کے استحصال کی کوشش شروع کردی، متعدد آزاد مذہبی جماعتوں کے سربراہوں نے اسرائیل کے طول وعرض میں کہنا شروع کیا کہ اب قدیم "حاخامی" فتویٰ کو منسوخ کردینا چاہئے، جس میں کہا گیا تھا کہ یہودی مسجد اقصیٰ کے آنگنوں میں نہ جائیں، انھوں نے "ہیکل کی بازتعمیر" کی تحریک کی ساتویں کانفرنس میں اس سے متعلق ایک قرارداد پر دستخط بھی کئے۔ (دیکھئے اخبار "الحیاۃ" ۱۹/۹/۱۹۹۸)

اور عملاً ۶۰ "حاخاموں" نے فیصلہ صادر کیا

کہ اب وہ ممانعت ختم ہوگئی ہے اور یہودیوں کی اس کے لئے ہمت افزائی کی کہ وہ ہیکل کے پہاڑ پر چڑھیں جہاں مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرۃ موجود ہیں، ان کی دلیل یہ تھی کہ یہ یہودیوں کا حق ہے کہ وہ پہاڑ پر چڑھیں تاکہ ہیکل کی تعمیر کی تیاریوں کی ابتدا کرسکیں، ان کے ترجمان نے کہا:

"سابق ممانعت بعد کے انکشافات سے پہلے تھی، جن میں سب سے نمایاں "سرخ گائے" کا انکشاف ہے اور اب ہم نجات کے منتظر ہیں اور ہیکل کی دوبارہ تعمیر کے جس کو ان ہی دنوں میں جلد شروع ہوجانا چاہئے۔ (دیکھئے اخبار "الانباء" کویت ۱۹۹۸/۸/۹)

چند سالوں پہلے کئی "حاخاموں" نے "کاہنوں" کے خاندانوں کو اس بات کی دعوت دینا شروع کردی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو "مقدس علاقہ" میں گائے سے متعلق مذہبی رسومات کو انجام دینے کی تربیت دیں اور اس مقصد کے لئے چار خاندانوں نے اپنی اولاد کو وقف کردیا۔ (دیکھئے اخبار "الرائی العام" ۱۹۹۸/۳/۵)

"حاخاموں" نے حکومتی اداروں کے اتفاق کے ساتھ ایک مدت سے اسرائیل کی ایک فیصد آمدنی کی وصولیابی شروع کردی ہے تاکہ اسے "ہیکل" کے لئے وقف کیا جائے، جس کی مہم "گائے" کے ظہور کے بعد نفاذ کے مرحلے میں داخل ہوگئی ہے۔ یہ فیصد بھی ایک مذہبی قانون کے تحت ہے جس کا مطالبہ ہے کہ یہودیوں کو عشر العشر دسویں کا دسواں حصہ "ہیکل" کے لئے وقف کرنا چاہئے، ان چندوں کے حصول اور ہیکل کے متعلق منصوبوں پر خرچ کے سلسلہ میں ایک خاص عنوان بھی تجویز کیا گیا ہے۔

"سرخ گائے" کے ظہور کے ساتھ ہی یہودی مذہبی جماعتوں کا جوش وخروش بہت بڑھ گیا ہے، جو حکومت کا مقابلہ کررہا ہے، یہ تقریباً ۱۲۰ جماعتیں ہیں جو اب نئے حامی وممبر حاصل کرنے میں لگی ہیں جو پہلے ان مذہبی جماعتوں کے نعروں پر توجہ نہیں دیتے تھے۔

یونیورسٹی "بارلان" میں مذہبی امور کے ماہر "ساجیم فرینڈمین" نے اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: "اس جانور کی اچانک پیدائش نے یہودیوں میں بڑا فکر وجوش پیدا کردیا ہے، اب لوگ اس نشانی کے بارے میں غور وفکر کررہے ہیں اور سنجیدگی سے اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

(دیکھئے اخبار "السیاسۃ" ۱۹۹۷/۱۰/۳)

گائے کے دور کا سیاسی منظر نامہ:

صرف دیندار یہودیوں نے ہی "اسرائیل کے اس نئے مہمان" کا استقبال واہتمام نہیں کیا، بلکہ سیاسی لوگوں نے اس خاص وقت میں اس کے ظہور کا پورا فائدہ اٹھایا تاکہ پارٹی کی سیاست میں اس کا استحصال کیا جاسکے، اس سلسلہ میں انھوں نے اسرائیل میں موجودہ مذہبی جوش وخروش کا استعمال کیا اور بہت سوں نے "گائے کے ظہور" اور "حیتن یاہو" کے اقتدار کے درمیان بھی ربط قائم کیا، جس کے زمانہ میں مذہبی گروپس کو اسرائیلی سیاست میں حصہ داری کا موقعہ ملا۔

لیکن بعض اسرائیلی حلقوں میں اس "گائے" کی خوشی نہیں منائی گئی، وہ زیادہ تو سیکولر حلقے ہیں جن کو یہ خوف لاحق ہے کہ کہیں ان واقعات کا استحصال کرکے مذہبی حلقے طاقتور نہ بن جائیں، بعض حلقوں کا خیال ہے کہ "گائے" کا مسئلہ تشدد کا ایک ایسا چکر شروع کرے گا جس کا نقصان مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں کو بھی اٹھانا پڑے گا، اور خود اسرائیل میں مذہبی، اور لامذہبی گروپوں میں کش مکش پیدا ہوجائے گی، اسرائیلی صحافی "ڈیوڈ لان رڈ" نے اسی خدشہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"سرخ گائے" کے ظہور کی باتیں کسی دینی نیوکلیائی بم کے دھماکہ سے زیادہ خطرناک ہوسکتی ہیں"۔

عارضی ناامیدی:

یہودی اپنے خوابوں اور خیالوں کی دنیا میں مفروضات کو جہاں ایک طرف حقائق بنانے پر تلے ہوئے ہیں وہیں ان کے بعض "حاخاموں" کا کہنا ہے کہ "میلوڈی" ہی "سرخ گائے" ہو، مشکوک بات ہے، اسرائیل اخبار معاریف میں بتاریخ ۱۹۹۷/۱۰/۲۹ء حاخام "شمار یاتوف" کا یہ بیان شائع ہوا تھا جو انھوں نے اس فارم میں دیا تھا جہاں یہ "گائے" موجود ہے۔

"شاید یہ "گائے" حقیقی مطلوبہ گائے نہ ہو کیوں کہ اس میں بعض دھبے پائے جاتے ہیں"۔

حاخام نے خوردبین سے دیکھ کر بتایا کہ، گائے کی دم میں بعض سفید بال پائے جاتے ہیں، یہی بات اس نے آنکھوں کو چک کرکے بتائی کہ اس کے پپوٹوں میں دوسرے رنگ کی آمیزش ہے۔ دوسری طرف ان شکوک وشبہات کو کمزور کرنے کی بات کہی گئی۔

آبزرور اخبار میں ۱۹۹۷/۷/۹ء کو "یہودا اترزیون" سرگرم صیہونی لیڈر کا بیان شائع ہوا کہ حاخام" کے تحفظات صحیح نہیں ہیں، یہ بال وقت گذرنے کے ساتھ غائب ہوجائیں گے، اور نہ بھی ہوں تو کتاب مقدس کہتی ہے "تھوڑے سے بالوں کے فرق سے "سرخ گائے" کی حقیقت نہیں بدل جائے گی۔"

گائے کے بارے میں ہمارا موقف:

ہمیں اس گائے سے کچھ لینا دینا نہیں، ہمیں نہ اس کے وجود سے دلچسپی ہے نہ اس کی رنگت وشکل سے، نہ زمانہ وظہور کے وقت سے، لیکن ہمیں اس کے خرافاتی یہودی عقیدہ کے پیچھے جو منصوبے وسازشیں پوشیدہ ہیں، ضرور فکرمند کرنے کے لئے کافی ہیں اور ہم اس کے عادی ہوچکے ہیں۔ پچھلے پچاس سالوں میں کہ ہم جس بات کو یہودی خیال آرائی، یا بے حقیقت بات کہہ کر ٹالتے رہے، یہودی اس کو واقعات میں تبدیل کرتے رہے، یہاں میں یہ کہہ دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ ممکن ہے یہ "گائے" ان کے مطلوبہ صفات کے مطابق اور ان کے عین عقیدہ ونقطۂ نظر کے مطابق ہی ہو اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ استدراجاً یہ معاملہ فرمائے اور وہ مذہبی طور پر یقین کریں کہ ان کی طہارت کا زمانہ

آگیا اور پھر وہ اپنے اقدامات مذہبی جنون کے ساتھ شروع کردیں۔

گائے اور منتخب قوم کی نجاست:

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہودی مسلسل اس عقیدہ کے حامل ہیں کہ وہ اللہ کے منتخب اور پسندیدہ ہیں، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ وہ کئی صدیوں سے "نجس" ہیں اور یہ نجاست "سرخ گائے" کی راکھ سے ہی دور ہوگی، منجملہ دیگر رسوم کے جو "ہیکل" میں انجام دی جائیں گی، اور کیونکہ "ہیکل" دو ہزار سال سے موجود نہیں ہے، تو کوئی "گائے" ان اوصاف کے ساتھ اس طویل دور میں وجود میں نہ آسکی، اور نجاست یہودی قوم کے ساتھ لگی رہی۔

تورات میں ہے کتاب گنتی اصحاح ۱۹:

"یہ قانون ہے، جب بھی خیمہ میں کسی انسان کی موت ہو، تو جو بھی خیمہ میں تھا اور جو بھی داخل ہوگا نجس ہوجائے گا، ہر کھلا برتن جو کپڑے سے نہ ڈھکا ہو نجس ہوگا اور جو شخص کسی مقتول، میت انسان کی ہڈی، یا قبر کو چھولے وہ نجس ہوجاتا ہے اور جو بھی نجاست والا پانی چھولے وہ نجس ہوجاتا ہے، اور پھر نجس شخص جس کو چھولے وہ نجس ہوجاتا ہے۔

اب بتائیے کہ اس "منتخب قوم" میں کوئی پاک بچا، مسئلہ نجاست کا نہیں ہے، ہمارے نزدیک سارے کافر ومشرک نجس ہیں، لیکن تعجب انگیز اور دلچسپ امر یہ ہے کہ یہودیوں کے ہاں عقیدہ یہ ہے کہ یہ نبی ست ہزارۂ دوم کے اختتام پر "سرخ گائے" کی راکھ سے دور ہوگی۔

یہودی مذہبی انسائکلوپیڈیا میں لکھا ہے:

"سرخ گائے" کے لئے لازم ہے کہ اسے "قدس" سے باہر لے جایا جائے، اس کو ذبح کرنے کے بعد اس کو مکمل جلا دیا جائے، ان رسوم کو ادا کرنے کے لئے "حاخام" یا کاہن کی نگرانی ہو، راکھ پاکی اور ان شرّی روحوں کو دور کرنے کے لئے استعمال کی جائے جو اپنے مردوں کے جسم چھونے سے یہودیوں میں منتقل ہوسکتی ہیں"۔

یہودیوں کے لئے "قومی نجاست" کا مسئلہ بڑا پریشان کن بنا ہوا ہے یہاں تک کہ تلمود وتورات کی تشریح ہے، کا چھٹا حصہ نجاستوں سے پاکی کی کیفیات کی تفصیلات پر مشتمل ہے "گائے کا ظہور" "دور طہارت" کا آغاز ہے جس سے ان کے نزدیک عظمتوں کا دور شروع ہوگا۔

اخبار "الرائی العام" کویت نے اسرائیلی اخبارات سے نقل کرتے ہوئے ۱۹۹۸/۳/۵ء کی اشاعت میں لکھا تھا کہ اسرائیل کے ایک بڑے "حاخام" "البویم" نامی سے انٹرویو لیا گیا، جس میں گائے سے متعلق بہت سے سوالات کئے گئے، ان میں ایک سوال یہ تھا کہ کیا ایک گائے پانچ ملین یہودیوں کے لئے کافی ہوگی؟ جو نجاستوں میں ملوث ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ ہاں، کئی سال کے لئے تورات میں ہے کہ پہلی گائے حضرت موسیٰ کے دور میں تیار کی گئی، بعد کی گائے کو "عزرا" نے تیار کیا تھا، دوسرے ہیکل کے زمانہ میں آٹھ گائے تیار کی گئی تھیں، اس طرح مجموعی طور پر ۹ گائیں ہیں، اور اب ہم "دسویں گائے" کے دور میں ہیں۔

ظاہر ہے کہ گذشتہ بالا تصریحات سے یہ ثابت ہے کہ یہودیوں کے ہاں گائے کا مسئلہ ضمنی مسئلہ نہیں ہے، خاص طور پر جبکہ وہ سمجھ رہے ہیں کہ انھوں نے دو دور مکمل کرلئے ہیں، اب تیسرا دور ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ۹۵ فیصد یہودی عبادات کے مراسم جو ہیکل میں انجام دیئے جائیں گے، "مردوں کی نجاست" کی وجہ سے نہیں ادا کئے جارہے ہیں، بعض "حاخاموں" کا کہنا ہے کہ عبادت کے لئے ہیکل کا افتتاح "نجس لوگوں" کے ذریعہ نہیں ہوسکتا اور "گائے کی راکھ" کے ذریعہ پاکی کے بغیر ناممکن ہے کہ وہ ہیکل میں رسوم عبادت بجالائیں۔

لیکن نجس ہوتے ہوئے وہ کیسے ہیکل بنائیں گے، اور کیسے تیاریاں کریں گے؟ حقیقت مسئلہ اللہ ہی جانتا ہے۔

اس اجتماعی طہارت کے لئے عملی منصوبہ بندی کس طرح کی جارہی ہے، اسرائیلی اخبار "ہارٹس" نے ۱۹۹۸/۳/۲ء کے شمارہ میں ایک حاخام سے اس سوال کا جواب نقل کیا ہے:

"ہم ہیکل کی جگہ کے سامنے مشرقی سمت میں "گائے" کو جلائیں گے، ممکن ہے کہ ہم بعض درختوں کی لکڑیاں استعمال کریں، پھر ہم راکھ خلط ملط کردیں گے، پھر راکھ نلکوں کے ذریعہ پورے ملک میں سپلائی کی جائے گی" جیسے پانی یا گیس کی سپلائی ہوتی ہے، یہ رازہائے سربستہ اور معمہ ہائے لاینحل ہیں، جو یہودی ملک سے باہر ہیں ان کا کیا ہوگا؟ شاید بوتلوں میں پوری دنیا میں اس کی سپلائی ہوگی، یا دنیا بھر کے یہودی "سرزمین موعود" آجائیں گے۔

وقت پیدائش اور وقت ذبح:

گائے کب پیدا ہوئی اسی سے اس کا تعین ہوگا کہ وہ کب ذبح ہوگی، یہودی کا عقیدہ ہے کہ گائے کو تین سال بعد ذبح کیا جائے گا، اور اس سلسلہ میں اختلاف رائے ہے کہ وہ کب پیدا ہوئی، بعض اسرائیلیوں کا کہنا ہے کہ وہ اگست ۱۹۹۷ء میں پیدا ہوئی، بعض جنوری بتاتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جنوری ۲۰۰۰ء میں ذبح ہوگی یا اگست ۲۰۰۰ء میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ سال گائے کی عمر کا بھی اختتامی سال ہوگا اور یہودیوں کے عروج کا بھی، کیوں کہ یہودیوں کی دینی جماعتیں اس کی امیدوار ہیں کہ بیت المقدس یا یروشلم گائے ذبح کرنے کے بعد سرزمین مقدس میں ایک نیا دور شروع ہوگا۔

لمحۂ فکریہ

مسلم دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ؟

یاسر محمد خاں

خلیل جبران کی زندگی میں اس کے کسی دانشور دوست نے اس کے بارے میں لکھا:

''جبران کبھی لا جواب نہیں ہوا، کیونکہ قدرت نے اسے لاجواب ہونے کے لئے نہیں، لاجواب کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔''

یہ فقرہ لبنان کے اس باکمال دانشور تک پہنچا تو اس نے تاسف سے ہاتھ ملے اور بوجھل آواز میں کہا:

''میرے دوست نے مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے، میں واقعی زندگی میں کبھی لاجواب نہیں ہوتا تھا لیکن جب ایک شخص نے مجھ سے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' تو میرے پاس اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔''

میں نے جب یہ واقعہ پڑھا تو گویا دل پر نقش ہوگیا۔ میں دیر تک سوچتا رہا، واقعی دنیا کی چھ ارب آبادی میں سے صرف چند ہی لوگ ہوں گے جن کے پاس اس مشکل سوال کا جواب ہوگا، گذشتہ روز یہ سوال ایک بار پھر میرے ضمیر پر خراش ڈال کر گزر گیا اور اس بار اسے میرے سامنے ایک غیر مسلم صحافی نے اٹھایا۔ یہ صاحب جاپان کے ایک نشریاتی ادارے سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا دفتر تھائی لینڈ میں ہے، جہاں سے وہ جنوبی ایشیا کے ممالک کی خبریں جمع کرتے اور نشر کرتے ہیں، گذشتہ روز میرے پاس تشریف لائے، ان سے گفتگو شروع ہوئی، تو انہوں نے مجھ سے پوچھا: ''آپ کے خیال میں اسلامی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟''

میں نے اس سوال کے جواب پورے عالم اسلام کی معیشت ان کے سامنے رکھ دی، اسلامی دنیا کی غربت جہالت، بیماری اور آمریت کا رونا رویا۔ جب میں بول بول کر تھک گیا تو وہ پوری سنجیدگی سے بولے: ''میں جب لندن میں پڑھتا تھا تو میں نے مسلم دنیا کے دفاعی نظام پر مقالہ لکھا تھا، اس مقالے کے لئے مجھے ٹھیک ٹھاک تحقیق کرنا پڑی، اس کے ذریعہ مجھے معلوم ہوا کہ مسلمان دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہیں۔''

''مثلاً آپ آبادی کو دیکھیں اس وقت دنیا کے اڑتالیس آزاد ممالک اور دیگر ممالک میں ایک ارب چالیس کروڑ اکتیس لاکھ اکیاون ہزار مسلمان آباد ہیں، یہ عیسائیت کے پیروکاروں کے بعد دنیا کی دوسری بڑی اکثریت ہے، جو دنیا میں سب سے زیادہ ہے، لہٰذا مسلم آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اب آپ رقبے کے لحاظ سے دیکھیں، کرۂ ارض پر مسلمانوں کے پاس تین کروڑ اڑتالیس لاکھ انیس ہزار سات سو نوے مربع کلو میٹر علاقہ ہے، جغرافیہ کے لحاظ سے دیکھیں تو دنیا کی عیسائی آبادی یورپ، امریکہ اور آسٹریلیا کے براعظموں تک محدود ہے، بدھ مت مشرق بعید میں مرتکز ہے، لیکن مسلمان ممالک دنیا کے ساتوں براعظموں میں موجود ہیں۔

دنیا کی تمام بڑی آبی گزرگاہیں مسلم دنیا سے ہو کر گزرتی ہیں، دنیا کے مختلف ممالک کو ملانے والے تمام زمینی راستوں میں مسلم ممالک آتے ہیں، دنیا کے تمام بڑے ہوائی راستے (ایئر روٹس) مسلم ممالک کے اوپر سے گذرتے ہیں، آپ یورپ سے امریکہ آنا چاہتے ہیں، مشرق بعید سے یورپ یا امریکہ آنا چاہتے ہیں تو آپ کو کسی نہ کسی مسلم ملک کے اوپر سے گذرنا پڑے گا۔''

''وسائل کے حوالے سے دیکھئے، دنیا کی ساری صنعتوں کو ایندھن چاہئے، دنیا کا سارا نظام بجلی کا محتاج ہے اور دنیا میں زیادہ تر بجلی تیل سے بنی ہے، دنیا کا ستر فیصد تیل مسلمانوں کے پاس ہے، دنیا کا بہترین نہری نظام مسلمانوں کے پاس ہے، دنیا میں سونے کے سب سے بڑے ذخائر، کوئلے کی سب سے بڑی کانیں مسلم ممالک میں ہیں،'' وہ دم لینے کے لئے رکے۔

مجھے اس دلچسپ داستان کی وجہ تو معلوم نہ ہوسکی، لیکن اس کے باوجود میں ان کے لہجے کی روانی میں بہتا چلا گیا، انھوں نے تھوڑی دیر توقف کے بعد بیگ سے کاغذوں کا پلندہ نکالا، میرے سامنے رکھا اور آہستہ آہستہ کاغذ پلٹ کر بولے: ''یہ میرے مقالے کی نقول ہیں، آپ یہ دیکھیں۔''

انھوں نے کاغذ پر انگلی رکھی، میں آگے جھک گیا۔ ''یہ دیکھئے! میں نے حساب لگایا تو پتہ چلا کہ مسلم ممالک کی کل فوج کی تعداد ۶۶ر لاکھ ۷۶ر ہزار ۵ر سو ساٹھ بنتی ہے اور یہ اڑتالیس مسلم ممالک ہر سال دفاع پر ۷۶ر ارب ۹۰ سو ۵۰ ملین ڈالر خرچ کرتے ہیں جو دنیا کے کل دفاعی بجٹ کا ایک چوتھائی حصہ ہے، دنیا میں ہر سال اسلحہ خرید نے والوں میں مسلم ممالک پہلے نمبر پر ہیں، مثلاً یہ فہرست دیکھئے!''

انھوں نے کاغذ پلٹ کر میرے سامنے رکھ دیا، پھر ایک جگہ انگلی رکھی اور سنجیدہ لہجے میں بولے: ''مثلاً آپ سعودی عرب کو لیجئے، اس کے پاس دو لاکھ بیالیس ہزار فوجی ہیں اور یہ ہر سال فوج پر

(بقیہ: صفحہ ۲۵ پر)

یادرفتگاں

مہک رہی ہے گلابوں سے اس کی یاد کی شام

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

جس واقف کار نے بھی ضیاء الحسن ندوی صاحب کے انتقال کی خبر سنی اسے محسوس ہوا کہ اس کے ہوش وحواس پر بجلی گری۔ راقم سطور جنوری ۲۰۰۳ء میں دہلی جواہر لال نہرو یونیورسٹی ایک پی ایچ ڈی کا زبانی امتحان لینے گیا، تو وہ میرے ساتھ شریک تھے؛ پھر ۹ر جنوری کی شام ان کے گھر پر رابطہ ادب اسلامی کی نشست ہوئی جس میں مقالے پڑھے گئے۔ شعراء نے اپنا کلام سنایا، پھر ۱۱ر جنوری ۲۰۰۳ء میں حیدرآباد واپس ہوا تو مجھے رخصت کرنے نئی دہلی ریلوے اسٹیشن آئے اور گلے مل کر رخصت ہوئے۔ یہ نہیں معلوم تھا کہ دارفانی کی یہ آخری ملاقات ہے۔ ۲۰ر جنوری کو دہلی سے دس بجے دن میں ایک ٹیلیفون آیا اور اچانک داغ مفارقت کی خبر نے آنکھوں کے سامنے اندھیرا کردیا۔ زبان نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رہوارِ عمر ابھی رٹائرمنٹ کی منزل تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ اس سے پہلے ہی عمر کی آخری منزل آگئی۔ اپنے شعبہ کے صدر تھے، فیکلٹی کے ڈین تھے اور اپنی منصبی ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں مصروف تھے۔ ان کی شگفتہ طبیعت، ان کی خداداد ذہانت اور ان کے حسنِ تکلم نے ان کو اساتذہ اور طلبہ کے درمیان بہت مقبول بنادیا تھا۔ مصاف زندگی میں جس قدر زیادہ انھوں نے سنجری بناڈالی اس میں ان کی ان خصوصیات کو بھی بڑا دخل ہے۔ شام کو وہی مجلس طرازی ہوتی اور وہی گل افشانیٔ گفتار۔ روزانہ وہی مصیبت زدگان کی داد رسی اپنے پرائے کی غم خواری۔ ضرورت مندوں کی حاجت روائی۔ خدمت خلق کے میدان کے تو وہ شہسوار تھے۔ مشکل سے کوئی شخص اس میدان میں ان کا حریف ہوسکتا تھا۔ نیکی کی یہ دولت ان کے پاس بہت تھی اور اس اعتبار سے وہ بہت مالدار تھے اور ہم جیسے محتاج وفقیر لوگوں کے لئے باعث رشک۔ ''دل بدست آور کہ حج اکبر است'' پر ان کا پورا پورا عمل تھا اور انھوں نے کتنے حج اکبر کر ڈالے تھے اسے کوئی شمار نہیں کرسکتا ہے۔ اب ان سب کا اجر لینے کے لئے وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوچکے ہیں۔

ان کا ادبی ذوق بہت پاکیزہ تھا۔ کوتاہ قلم بھی تھے اور دیر نویس بھی۔ لیکن جب کبھی لکھتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ کوثر وتسنیم کی دھلی ہوئی زبان ہے۔ شگفتگی میں بے مثال۔ ہر جملہ نکسال۔ ایسا معلوم ہوتا کہ لکھ نہیں رہے ہیں بلکہ موتی رول رہے ہیں اور انشا کے پھول کھلا رہے ہیں۔ اگر انھوں نے تصنیف وتالیف کی طرف پوری توجہ کی ہوتی تو وہ ایک نامور سحر طراز ادیب اور مصنف بن جاتے۔ عربوں نے امریکہ اور یورپ میں جو عربی ادب کا لٹریچر تیار کیا اسے ادب مہجر کہتے ہیں۔ اس موضوع پر انھوں نے اردو میں جو کتاب لکھی اس کا نام رکھا ''عربی ادب دیار غیر میں'' اس نام سے ہی ان کے حسن ذوق کا پورا اندازہ ہوجاتا ہے۔ کبھی کبھی صرف کتاب کے نام سے مصنف کے انشاء پردازانہ ذوق اور شائستگی طبع کا اظہار ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایمک انرجی پر اردو زبان میں ایک کتاب شائع ہوئی مصنف نے کتاب کا نام رکھا تھا ''اگر ذرہ کا دل چیریں''۔ صحافت کے فن پر اردو زبان میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔ کتاب کا نام ہے ''من شاہ جہانم'' یہ سارے نام حسن ذوق کی علامت ہیں۔ انہوں نے مشہور عرب ناول نگار نجیب محفوظ پر اردو میں مقالہ لکھا وہ اپنے مضمون اور اسلوب دونوں کے اعتبار سے ''برگ اصحاب صورت رابہ اصحاب معنی را'' کا مصداق تھا۔ اور ادبی حلقہ میں پسند کیا گیا اس سے پہلے کالی کٹ یونیورسٹی میں نجیب محفوظ پر عربی سیمینار میں وہ اپنا مقالہ پڑھ چکے تھے اور تحسین کا باج اور خراج حاصل کرچکے تھے۔ انھیں ہندوستان کے دفتر رابطہ ادب اسلامی کا جنرل سکریٹری مقرر کیا گیا تھا۔ ادب اسلامی کے سیمینار میں وہ ہمیشہ پابندی کے ساتھ شریک رہتے بلکہ اس کے روح رواں اور نفس ناطقہ بن جاتے۔ بزم ادب ان کے بغیر سونی سونی ہوتی۔ ایسا لگتا کہ بزم میں دل کشی نہیں'' تارے ہیں روشنی نہیں چاند ہے چاندنی نہیں'' اردو انشا پردازی کے لئے فارسی جاننا بھی ضروری ہے۔ وہ فارسی زبان سے واقف تھے۔ انھوں نے فارسی کے مشہور اشعار کا منظوم اردو ترجمہ بھی کیا تھا۔ جامعہ ملیہ کی ایک ادبی نشست میں انھوں نے سنایا۔ ماہنامہ جامعہ میں اہتمام کے ساتھ اسے شائع کیا۔ رسالہ جامعہ اور تعمیر حیات میں ان کے بہت سے اردو ترجمے بھی شائع ہوچکے ہیں۔ عربی زبان پر بھی انہیں بڑی قدرت حاصل تھی۔ آل انڈیا ریڈیو کی عربی سروس کے لئے انھوں نے بہت سے مضامین کے عربی ترجمے کئے اور آخر میں حکومت ہند کے عربی مجلہ ثقافۃ الہند کے اڈیٹر بھی مقرر ہوئے اور ابھی کچھ عرصہ پہلے انھوں نے اس عربی رسالہ کا شاندار دیدہ زیب مولانا ابوالحسن ندوی نمبر نکالا تھا۔ ہندوستان کے مشہور علمی دینی عربی مجلہ البعث الاسلامی میں بھی پہلے ان کے عربی مقالات شائع ہوچکے ہیں۔ ان کے ادبی ذوق کی تربیت میں ندوہ کے علاوہ ان کے گھر کے ماحول کا بھی حصہ ہے، جہاں حفیظ جالندھری کا شاہنامہ اسلام پڑھا جاتا تھا اور خود ان کے بڑے بھائی مولانا سید محمود الحسن ندوی عربی کے

ادیب اور مترجم ہیں جن کے ساتھ انھوں نے زندگی گذاری۔ پاکستان ،انڈونیشیا،ترکی، مصر سے سیمناروں میں شرکت کے لئے ان کے پاس دعوت نامے آتے تھے، تیونس اور مراکش کا سفر کر چکے تھے۔ باہر کے لوگ جب ان کی باتیں سنتے تو بہت محظوظ ہوتے اور کہتے کہ ''بہت لگتا ہے جی صحبت میں ان کی'' گفتگو بہت دلچسپ ہوتی۔ بیچ بیچ میں وہ اکثر اردو کے یا عربی شعر سناتے۔ صرف اردو کے قدیم اساتذہ کے اشعار نہیں بلکہ اس دور کے بھی مشہور شعراء کے اشعار زبان زد ہوتے۔ خود بھی کبھی شعر کہتے۔ اپنی افتادِ طبیعت کی وجہ سے غزل کبھی مکمل نہیں ہو پاتی۔ کسی ادبی علمی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مسلسل مطالعہ، یک سوئی اور مرتب اور منضبط زندگی کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن خلوت سے زیادہ انہیں جلوت عزیز تھی۔ سارے جہاں کا درد، ہزار عاشقوں کا اضطراب ان کے جگر میں تھا۔ لوگوں کے کام آنے کا اور لوگوں سے ملنے کا بے پایاں جذبہ تھا۔ داد کے بجائے فریاد انہیں متحرک کرتی۔ معمولی سے معمولی آدمی کی پکار پر وہ لبیک کہتے۔ جب تک وہ دل کے مریض نہیں ہوگئے صبح سے شام تک اسی میں خود کو مصروف رکھتے۔ اہل حاجت نے اس کے بعد بھی انہیں نہیں چھوڑا۔ ان سے کام لیتے رہے اور وہ کام کرتے رہے۔ اپنا چاک دل تو رفو نہیں کر سکے لیکن دوسروں کا چاک گریبان رفو کرتے رہے۔ دل کی دردمندی کے ساتھ اور پوری کشادہ قلبی کے ساتھ مصاف زندگی میں سیرت فولاد پیدا کر سکے ہوں یا نہ کر سکے ہوں حلقہ یاراں میں بریشم کی طرح نرم تھے۔

ندوۃ العلماء سے اور وہاں کے اساتذہ سے ان کا ربط مستقل اور گہرا تھا۔ ہمیشہ شجر سے پیوستہ رہے اور امید بہار رکھتے رہے۔ وہاں کی مجلس انتظامی کے ممبر اور تحقیقات ونشریات اسلام کے رکن تھے۔ جتنا گہرا تعلق ان کا ندوہ سے تھا، اتنا ہی جامعہ سے تھا۔ وہ ندوہ کے دجلۂ علم سے بھی سیراب ہوئے تھے اور جامعہ کے گنگ وجمن دانش سے بھی۔ دونوں تعلیمی ادارے ہیں لیکن ظاہر ہے ندوہ اور جامعہ ایک چیز نہیں۔ ''وہ راہبر کی ہدایت یہ رہ گذر کا فریب''۔ راہبر اور رہ گذر ان دونوں کے درمیان اور دونوں کے تعاون سے زندگی کرنے کی انھوں نے خو کر لی تھی۔ دیار شوق جامعہ ملیہ پر انھوں نے رسالہ جامعہ میں جو مضمون لکھا تھا اس سے ان کے صحت مند نظریات اور عقیدہ کی صلابت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے دینی نظریات میں پختہ تھے انحراف سے دور تھے۔ عملی سیاست میں بہت سے نشیب وفراز آتے ہیں۔ جامعہ میں جان بوجھ کر غلطی انھوں نے کم ہی کی ہوگی۔ اگر صیاد بھی حسن سلوک کا پھندہ ڈال دے تو وہ گرفتار ہوجانے کے لئے فوراً تیار ہوجاتے تھے۔ خیال خاطر احباب انہیں ہر دم عزیز رہتا تھا اور ان کی بات کو ٹالنا ان کے لئے مشکل ہوجاتا تھا اور کبھی حسن سلوک کا پھندہ بھی ان کے گلے میں پڑا ہوتا۔ اس لئے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ان کی بات مان لیتے تھے۔ لیکن کبھی ان کا نام نہیں لیتے تھے۔

ہزار حشر میں پرسش ہوئی مگر ہم نے
نہ دل کا زخم دکھایا نہ ان کا نام لیا

ان کو بڑے اعزازات ملے تھے۔ صدر جمہور یہ کا ایوارڈ۔ حکومت ہند کے ادارے انڈین کونسل فار کلچرل رلشن کے عربی مجلّہ ثقافۃ الہند کی ادارت جس کی بنا مولانا آزاد نے اپنی وزارت کے زمانہ میں ڈالی تھی، کئی سرکاری ڈیلی گیشن کی رکنیت اور کئی ملکوں کا دورہ۔ لیکن کبھی وہ کسی کمپلکس یا احساس برتری کا شکار نہیں ہوئے۔ احساس برتری نفسیاتی اعتبار سے احساس کمتری کی شکل ہوتی ہے۔ معمولی سے معمولی درجہ کا آدمی بھی انھیں اپنے پاس بلا لیتا اور وہ اس کا کام کر کے نہال ہوجاتے۔ ہمارا ان کا سفر اور حضر دونوں میں بہت ساتھ رہا ہے، ہم دونوں اکثر کمپلکس کا شکار لوگوں پر ہنسا کرتے تھے۔ ایک بزرگ پروفیسر کے سامنے میں نے یونیورسٹی کے ایک استاد کے وقیع علمی کاموں کی بہت تعریف کی۔ فرمانے لگے کہ جی ہاں لیکن وہ پروفیسر نہیں بن سکے۔ گویا ان کے نزدیک پروفیسر کے منصب پر فائز ہونا ہی سب سے بڑی بات تھی۔ وقیع علمی کاموں کا کوئی وزن نہیں تھا۔ یہ سن کر ضیاء الحسن ندوی صاحب نے ہنستے ہوئے ایک دوسرے پروفیسر صاحب کی بات سنائی جو اس سے بھی زیادہ دلچسپ تھی ''فلاں پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ میں پروفیسر ہو کر بھی فلاں لکچرر کے پاس اس کے گھر چلا گیا'' میں نے پوچھا کہ انھوں نے ایسی حماقت کی بات کیوں کی حالانکہ انھوں نے تو دینی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ انھوں نے تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ وہ ایک ایسی یونیورسٹی میں بھی رہے تھے جہاں سینیر اور جونیر کا فرق بہت زیادہ دیکھا جاتا ہے اور وہاں لوگ اپنے منصب اور پوزیشن کے بارے میں بڑے حساس ہوتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آدمی کی بڑائی اور عزت کی درجہ بندی صرف تین معیار پر کی جاسکتی ہے ان کے سوا ہر معیار غلط ہے، فریب نظر ہے، مغالطہ ہے۔ ایک تو دین اور اخلاق، یعنی اللہ کے ساتھ اس کا تعلق کیسا ہے اور تزکیہ نفس کیا ہے، دوسرے یہ کہ علم وتحقیق، دانشوری اور ادب کی دنیا میں اس کا مقام کیا ہے اور تیسری اور آخری بات یہ کہ بندگان خدا کے لئے وہ کتنا کام آنے والا ہے اس کے دل میں انسانیت کا درد کتنا ہے۔ کسی کو یہ تینوں دولت مل جائے تو وہ یقیناً بہت زیادہ بڑا آدمی ہے اور اگر کسی کو صرف دو باتیں میسر آجائیں تو بھی وہ زیادہ بڑا آدمی ہے اور قابل تعریف ہے اور اگر صرف ایک پہلو بھی کسی کو حاصل ہوجائے تو وہ بھی بڑا آدمی ہے اور قابل قدر ہے اور اگر تینوں باتوں میں سے کوئی بات نہ ہو تو وہ چاہے پروفیسر ہو چاہے منسٹر ہوجائے، گورنر ہوجائے، وہ بڑا آدمی نہیں۔ چاہے اس کے پاس

بہت دولت ہو شہرت ہو۔ بنگلہ ہو گملہ ہو موٹر ہو شوفر ہو۔ جب سے دنیا بنی ہے اور جب تک دنیا رہے گی اس حقیقی معیار میں نہ کوئی تبدیلی ہوئی ہے نہ ہوگی اس کے سوا باقی سارے معیار جھوٹے ہیں۔ ہمارے اور ان کے درمیان اقدار وافکار کے سلسلہ میں بڑی یگانگت تھی میری بات سن کر انھوں نے بتایا ایک مسلم ملک کا سفارت خانہ ہے، اس سفارت خانہ کا نام اب کچھ اور ہے اور اس کا سفیر بھی ہے۔ سفیر کے روایتی نام کی جگہ اسے کچھ اور کہتے ہیں۔ یہ سفیر کے مرتبہ کا آدمی بے تکلف سفارت خانہ میں رسپشنسٹ کی کرسی پر جا کر بیٹھ جاتا ہے۔ میں نے کہا یہ بات اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ ہمارے پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں اس طرح بیٹھتے تھے کہ دوسروں سے کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا۔ مسجد نبوی تعمیر ہو رہی تھی تو خود بھی مزدور کی طرح کام کر رہے تھے۔ اس دور میں گاندھی واد ہو یا کمیونزم، سرادگی اور مساوات کی خوبیاں جو ان میں پائی جاتی ہیں وہ اسلامی تعلیمات کا پرتو ہیں۔ اب اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف باتیں اور قدریں اختیار کی جاتی ہیں اور ان کا نام پروٹوکول رکھا ہے، جس کے انداز وہی ملوکانہ ہیں اور وہی حیلے ہیں پرویزی۔ انتہا یہ ہے کہ عصری تعلیم گاہوں کے مسلم اساتذہ اپنے جونیر ساتھیوں کے کمروں میں (کسی رسمی اور سرکاری میٹنگ کو مستثنیٰ کر کے) مہینوں اور برسوں داخل نہیں ہوتے ہیں اگرچہ درمیان میں صرف دیوار حائل ہوتی ہے۔ گویا اساتذہ کے یہ کمرے کسی دوسرے ملک میں واقع ہیں اور ان میں داخل ہونے کے لئے ویزے اور پاسپورٹ کی ضرورت ہے۔ نہ دل کا گداز باقی ہے نہ شرافت اخلاق کا پاس نہ مراسم ہم پیشگی کا لحاظ۔ اپنے نہایت عزیز دوست ضیاء الحسن ندوی (جنہیں مرحوم لکھنے میں قلم کو کاوش کرنی پڑ رہی ہے) کے تذکرہ میں یہ بیان اس لئے آگیا ہے کہ وہ ان برائیوں سے بہت دور تھے اور اس لئے بھی یہ ذکر آگیا ہے کہ اس آئینہ میں ہم کو اپنی تصویر نظر آجائے اور شاید اصلاح کی توفیق مل جائے۔ انسان اسی وقت تک کام کا انسان ہوتا ہے جب تک وہ اپنے کو بدلنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ غلطی کرنا کوئی بہت بری بات نہیں، اس پر قائم رہنا اور اصرار کرنا بری بات ہے۔

پروفیسر ندوی کئی برس سیفل حیدرآباد میں عربی ادب کے استاذ رہے اور اپنی شائستگی اور شرافت کی وجہ سے سیفل اور عثمانیہ یونیورسٹی کے اساتذہ میں مقبول اور ہردلعزیز رہے۔ وہ ایک مدت سے قلب کے عارضہ میں گرفتار تھے وہ حقیقت اور مجاز دونوں اعتبار سے دردمند دل رکھتے تھے۔ آلام وامراض بھی مومن کے لئے باعث اجر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ مدت دراز کی اس تکلیف کو ان کے لئے کفارۂ سیئات اور رفع درجات کا ذریعہ بنائے اور ان کو ''لکم فیھا ماتشتھی انفسکم ولکم فیھا ماتدعون'' کا مژدہ سنائے اور ہم سب لوگوں کو سعدی کے اس شعر پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔

خیرے کن اے عزیز وغنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

❀❀❀

بقیہ: مسلم دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ؟

اکیس ارب آٹھ سو چھہتر ڈالر خرچ کرتا ہے۔''

وہ ایک بار پھر دم لینے کے لئے رکے، انھوں نے کانڈسمیٹ کر بیگ میں رکھا اور اسی سنجیدہ اور رواں لہجے میں بولے: ''اس وقت مسلم ممالک کی کل فوج میں ۶۶ لاکھ ۷۶ ہزار پانچ سو ساٹھ فوجی ہیں اور دفاع پر کل چھہتر ارب نوسو پچاس ملین ڈالر خرچ ہوتے ہیں، اس طرح مسلمان دنیا کی بہت بڑی فوجی طاقت ہیں، اسلام اور دوسرے مذاہب میں ایک بڑا فرق ہے، امریکی، عیسائی، برطانوی عیسائی سے مختلف ہیں، ایک جرمن، جرمن پہلے اور عیسائی بعد میں ہے، فرانسیسی عیسائی خود کو آسٹریلوی عیسائی سے افضل سمجھتا ہے، اسی طرح چینی بدھ اور جاپانی، فلپائنی اور نیپالی بدھ میں بڑا فرق ہے۔

لیکن مسلمان افریقہ کا کالا ہو، فلسطین کا سرخ، ہندوستان کا گندمی یا البانیہ کا سفید، سب سے پہلے وہ مسلمان ہے، وہ پوری ملت کو اپنی ملت اور پوری مسلم دنیا کو اپنی دنیا سمجھتا ہے، لہٰذا اس مساوات کے باعث ہم اڑتالیس مسلمان ممالک کی فوج کو پوری امت مسلمہ کی فوج کہیں گے، اس کے مقابلے میں یورپ میں فرانس کی فوج فرانسیسی اور برطانیہ کی فوج برطانوی فوج کہلائے گی، وہ بھی مل کر عیسائی فوج نہیں بن سکتی، یہ بنیادی اور بڑا فرق ہے، لیکن مسلم دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ دنیا کے ایک تہائی رقبے کے وسائل اور آبادی رکھنے کے باوجود ایک نہیں ہے، دنیا کی سب سے بڑی فوج رکھنے کے باوجود مغلوب ہے۔

میرے مہمان رکے، انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری اور تھکی ہوئی آواز میں بولے: مسلم دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ نفاق ہے، اگر جمع ہوجائیں تو یہ چیونٹیاں ہاتھی کو پچھاڑ دیتی ہیں لیکن اگر الگ الگ ہوجائیں تو ہاتھی بھی گیدڑوں سے مار کھا جاتے ہیں۔

میرے دوست چلے گئے تو میں دیر تک خلیل جبران کے اس فقرے پر غور کرتا رہا ''میں بھی لاجواب نہیں ہوا لیکن اس شخص کے سامنے جس نے مجھ سے پوچھا؟ تم کون ہو؟

❀☆❀

یادرفتگاں

پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی

حسن اخلاق اور علم وادب کا معتدل ومتوازن نمونہ

پروفیسر شفیق احمد خاں ندوی

شعبہ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی دیر رات تک حسب معمول مشغول رہنے کے بعد ۲۰ رجنوری بروز دوشنبہ کی صبح باتھ روم میں داخل ہی ہوئے تھے کہ گرے اور خاموشی سے اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کر گئے۔ خبر اندوہ ناک تھی، جنگل کی آگ کی طرح پھیلی اور جامعہ ہی نہیں پوری دہلی کی ساری تعلیمی فضا سوگوار ہوگئی۔

ضیاء صاحب اپنی خوش مزاجی، ملنساری اور ہر کس وناکس کو نفع رسانی کے اپنے جذبے کی بنا پر خاصے مقبول ومحبوب تھے۔ ان کی وفات فرد واحد کی وفات نہ تھی، وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، ان کے تعلقات کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔ تیس برس سے وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں استاد تھے، وہ یقیناً خوش گفتاری، خوش پوشی اور خوش اخلاقی کا مجسمہ تھے، شعر وسخن کے رسیا، دین ودانش کے مرقع، قدیم وجدید کے متوازن امتزاج، سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کے شیدائی اور برجستہ گوئی میں طاق، اردو، عربی، فارسی وانگریزی زبانوں میں کہنہ مشق مقرر، شیریں بیان مترجم اور شرافت نفس وبردباری کے ساتھ خود اعتمادی اور جرأت کی اعلیٰ مثال تھے۔

علمی سطح پر ضیاء صاحب کے لکھے ہوئے مقالات ومضامین کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے۔ مشہور ومعروف کتاب جوان کے قلم سے شائع ہوئی ''عربی ادب دیار غیر میں'' کے عنوان سے برصغیر کے تعلیمی اداروں میں مقبول ہے۔ وزارت خارجہ حکومت ہند کے ادارہ انڈین کونسل برائے ثقافتی تعلقات کے مؤقر عربی مجلے ''ثقافۃ الھند'' کے ایڈیٹر کی حیثیت سے ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نمبر کی اشاعت ضیاء صاحب کا وہ عظیم کارنامہ ہے جس کی بنا پر انھیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

انتظامی وتنظیمی سطح پر وہ ایک کامیاب منتظم ومدبر تھے۔ جامعہ اسلامیہ نئی دہلی کے انسانیات والسنہ کی فیکلٹی کے ڈین، عربی زبان وادب کے پروفیسر اور صدر شعبہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ جامعہ کی مجلس تعلیمی ومجلس منتظمہ اور مالیاتی کمیٹی کے ممبر تھے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ کی مجلس منتظمہ کے بھی رکن تھے۔ رابطہ ادب اسلامی ہند کے نائب صدر اور اس کے معروف ادبی مجلے 'کاروان ادب' کے ایڈیٹوریل بورڈ کے ممبر تھے۔

ضیاء صاحب کی کارکردگی کی سرعت کا عالم یہ تھا کہ بڑی بڑی کانفرنسز کے لئے اپنے مقالات پروگرام سے کچھ دیر پہلے لکھ لیا کرتے تھے۔ ٹرین پر بھی وہ اس طرح کا کام مکمل کر لیتے تھے۔ بسا اوقات کسی ایک کتاب یا مقالے پر ایک نظر ڈال لیتے اور سیمیناروں میں زبانی بول دیتے اور مجمع عش عش کرتا اور ان کی شیریں بیانی سے محظوظ ومسحور ہوتا۔

۴۲ سال پہلے کی بات ہے۔ جب ہم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں طالب علم تھے ضیاء صاحب عربی انجمن النادی العربی کے جنرل سکریٹری ہوا کرتے تھے اور عربی زبان میں تحریر وتقریر کے لئے مشہور تھے اور ''الرائد'' اور ''تعمیر حیات'' جیسے جرائد ومجلات میں ان کے تراجم اور مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ مصر وعراق کے اخوانی علماء ڈاکٹر سعید رمضان اور ڈاکٹر صالح مہدی سامرائی تشریف لائے تو حضرۃ الاستاذ مولانا ڈاکٹر سعید الاعظمی ندوی کی عنایت سے جمعیۃ الاصلاح میں ضیاء صاحب کے ساتھ راقم السطور کو بھی استقبالیہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

ضیاء صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فضیلت کی سند حاصل کرنے کے بعد جامعہ آئے تھے، جہاں سے انھوں نے ہائر سکنڈری اسکول کی سند حاصل کی، پھر واپس جا کر لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب عربی، دبیر کامل فارسی اور ایم اے عربی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ کچھ روز ندوۃ العلماء، لکھنؤ میں بھی تدریس کے فرائض انجام دئے۔ جامعہ میں ۱۹۷۳ء میں لکچرر ہوئے، دوسال سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انگلش اینڈ فارین لینگویجز حیدرآباد میں ریڈر رہے، پھر جامعہ واپس ہوکر پروفیسر کے منصب پر فائز ہوئے۔ ان کی مقبولیت کا ہی نتیجہ تھا کہ انھیں غائبانہ طور پر کثیر ووٹوں سے بلا مقابلہ ٹیچنگ اسٹاف ایسوسی ایشن کا صدر منتخب کیا گیا، دوسال پہلے تک اس کے صدر رہے اور بڑے بڑے ہنگامی مسائل ہنستے، مسکراتے حل کرتے رہے۔ ارباب حل وعقد اور طلبہ کے سامنے مسائل کو اس مناسب انداز پر نرم لب ولہجے میں وہ پیش کرتے تھے کہ اختلاف اور نزاع کی نوبت ہی نہ آنے پاتی تھی۔ شعبے میں باہمی اختلافات ہوتے تو ان کی حکمتِ عملی وبردباری کی بنا پر ذاتی رنجش تک پہنچنے نہ پاتے اور باہمی کبیدہ خاطری جلد از جلد زائل ہوجاتی وہ بے شک صلح وسلامتی، اعلیٰ ظرفی اور ذوق لطیف کا مجسمہ تھے اور دشمنوں کے بھی دوست تھے۔ اور مخالفین کو درگزر کرنے ہی میں راحت محسوس کرتے تھے۔

اللہ نے انھیں سعودی عرب، مصر، شام، اردن، تونس، مغرب، الجزائر اور انڈونیشیا وغیرہ میں منعقدہ سیمناروں میں شرکت اور حکومت ہند کے سرکاری وفود کی ترجمانی کے مواقع عطا کئے تھے اس لئے ان کی عربی انگریزی ترجمانی کی صلاحیت میں نکھار پیدا ہوگیا تھا۔ آواز میں جادو اور تعبیر میں دلکشی ورعنائی ان کی امتیازی خصوصیت تھی۔ ان کے جانے سے ایک خلاء سا پیدا ہوگیا ہے۔

مصائب اور تھے پر دل کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہوگیا ہے

دوسروں کو فائدہ پہونچانے کا جذبہ ان کی شخصیت کا سب سے نمایاں امتیاز تھا۔ منصب اقتدار پر بیٹھ کر اکثر معاملات میں اثبات ہی اثبات اور نفی سے گریز ہی ان کا شیوہ بن گیا تھا۔ دوسروں کی نفع رسانی کے لئے وہ اس قدر حریص تھے کہ ہمیں نہیں یاد کہ انھوں نے کسی ضرورت مند کو اظہارِ نفی کرتے ہوئے محروم لوٹایا ہو۔ ان کی لغت میں ''انکار'' نام کا کوئی لفظ نہ تھا۔ حضرت علی بن زین العابدین رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرزدق نے کہا تھا کہ اگر کلمہ شہادت نہ ہوتا تو ان کا 'لا' (نہیں) بھی 'نعم' (ہاں) ہی ہوتا۔

ما قال لا قط إلا في تشهده
لو لا التشهد كانت لاؤه نعم

کچھ ایسی ہی صورت حال ضیاء صاحب کی تھی۔ بطور نمونہ آخری وقت کی دو مثالیں پیش خدمت ہیں:

وفات سے تین دن پہلے کی بات ہے کسی ریسرچ اسکالر کا پی ایچ ڈی مقالہ شعبہ امتحانات سے واپس آ گیا۔ اعتراض یہ تھا کہ تھیسیز کے عنوان میں بعض الفاظ کی تبدیلی ہے اور وہ عنوان سے قدرے مختلف ہے جو شروع میں بورڈ آف اسٹڈیز کی طرف سے منظور ہوا تھا۔ ضیاء صاحب نے راقم السطور اور پروفیسر زبیر احمد فاروقی صاحب سے استفسار کرتے ہوئے کہا کہ ان کے خیال میں عنوان کے ایک لفظ میں جو ہلکی پھلکی سی تبدیلی ہے وہ خود ڈپارٹمنٹ کی طرف سے درست کردی جائے اور اسکالر کو زحمت سے بچالیا جائے۔ ہم نے ان کے خیال سے اتفاق نہ کرتے ہوئے کہا کہ مقالہ ریسرچ اسکالر ہی کے پاس واپس بھیجا جانا چاہئے تاکہ وہ خود اسے اصل عنوان کے مطابق درست کر کے دوبارہ داخل کرے۔ ضیاء صاحب مرحوم نے بخوشی تھیسیز کو تصحیح کے لئے طالب علم کے پاس ہی بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

دوسری مثال وفات سے پندرہ روز پہلے کی ہے۔ حیدرآباد سے ایک اسکالر (محمد عمری) اپنا داخلہ پی ایچ ڈی میں مکمل کرانے آئے ضیاء صاحب نے ان کے کاغذات لے کر انھیں اسی دن حیدرآباد واپس جانے کی اجازت دے دی اور کہا کہ وہ خود ان کی طرف سے فیس وغیرہ جمع کرادیں گے۔ جاتے وقت انھوں نے کسی غلط فہمی کی بناء پر پیسے کم دئے، ضیاء صاحب نے اپنی جیب خاص سے رقم پوری کر کے فیس ادا کروائی۔ اور راقم السطور سے کہا کہ جو رقم طالب علم کی طرف سے انھوں نے ادا کی ہے اس کا تذکرہ طالب علم سے خط میں کرنے کی ضرورت نہیں۔

یہ تھیں مرحوم ومغفور کے اخلاص وایثار کی بعض جھلکیاں جن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی ذات سے لوگوں کو کس کس طرح فائدہ پہونچتا تھا۔ ان کی نیکیاں زندہ اور ان کی خوبیاں باقی رہیں گی اور ان کے حق میں ان شاء اللہ صدقات جاریہ کا کام کرتی رہیں گی، حدیث نبوی "خير الناس من ينفع الناس" (لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کے لئے نفع بخش ہو) کے بموجب وہ بہترین انسان تھے دعاء ہے کہ اللہ رحمان ورحیم ان کی بشری لغزشیں معاف فرمائے اور انھیں جنت الفردوس کے اعلیٰ وبالا مقام پر فائز کرے۔ ☆☆☆

حضرت ناظم ندوۃ العلماء کے نام دو خط

مخدومی ومکرمی حضرت مولانا محمد رابع ندوی، زید مجدکم،
السلام علیکم

سرتاپا رہین منت ہوں کہ آنجناب نے میری درخواست قبول کی اور طرح طرح کی صعوبتیں اٹھا کر ایک بہت ہی ناسازگار موسم میں سفر کیا اور سد بھاونا وشانتی کارواں کے جلسوں میں شرکت فرمائی۔

شرکائے کارواں اور حاضرین کو آپ کی پاکیزہ اور پرخلوص شخصیت سے متاثر اور مستفید ہونے کا موقع ملا۔ یوں تو آپ کی ذات گرامی سے خلقت عام طور پر واقف ہے لیکن ایسا شاید کم ہوا ہو کہ غیر مسلم دانشوروں نے آپ کو قریب سے دیکھا اور سنا ہو لیکن اس بار ایسا ہوا۔ انہوں نے آپ کی شخصیت کو بالمشافہ دیکھا اور آپ کی تقاریر سنیں تو ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اپنے بیحد موافق تاثر کا اظہار مجھ سے ہمارے ہم سفر کارواں شری وی۔ کے۔ ترپاٹھی نے کیا آپ کی موجودگی، شرکت اور خطاب نے بہت سی غلط فہمیاں دُور کردیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو جزائے خیر سے نوازے۔ والسلام

ہمہ سپاس
سید حامد

محترمی ومکرمی جناب مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
صاحب!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تعمیر حیات کا تازہ شمارہ (۲۵ نومبر، ۱۰ دسمبر) نظر سے گذرا۔ اس شمارہ کو معمول سے ہٹا ہوا اور اپنے مضامین کے اعتبار سے منفرد اور مختلف پایا جس کے لئے مبارکباد قبول فرمائیں، سرورق پر حضرت مولانا علی میاں صاحب کا جو اقتباس شایع ہوا وہ بھی بہت موزوں اور آج کے سیاسی حالات کے پیش نظر بڑا ہی معنی خیز ہے لیکن جس چیز نے مجھے یہ خط لکھنے پر اکسایا وہ آپ کا اداریہ ہے تعمیر حیات میں بڑے عرصہ کے بعد ایسا کوئی مضمون نظر آیا جو اتنا عمیق اور سیاسی تجزیہ کی ایسی عکاسی کرتا ہو جو حقیقت پر مبنی ہو، اداریہ کے عنوان سمیت مضمون میں سیاسی کشمکش، ہندوپاک کے تنازعات کا تجزیہ اور افغانستان کے حالات پر تبصرہ ایک گہری سیاسی بصیرت کا مظہر ہے مسلمانوں کے حالات رومانیت کے بجائے حقیقت پسندی ہی سے بہتر ہوں گے، انشاء اللہ امید ہے کہ آئندہ بھی تعمیر حیات میں ایسے مضامین شامل ہوں گے۔

دعاء گو
ڈاکٹر غیاث الدین صدیقی
مجلس الشوریٰ الاسلامی برطانیہ

کل ہند وکل نیپال
مسابقہ قرآن وحدیث

جامعہ دارالعلوم کنڈلور کرناٹک مورخہ ۲۳۔ تا ۲۵ اپریل ۲۰۰۳ء کو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت میں ایک کل ہند وکل نیپال مسابقہ قرآن وحدیث منعقد کررہا ہے اس کا دعوت نامہ تمام مدارس کو بھیجا گیا ہے، اگر کسی مدرسہ کو دعوت نامہ نہ پہنچے تو اسی اعلان کو دعوت نامہ تصور کرتے ہوئے شریک ہوسکتے ہیں یہ مسابقہ تین زمروں پر مشتمل ہوگا۔

زمرۂ اولیٰ: مکمل حفظ قرآن مع تجوید وترتیل

زمرۂ ثانیہ: حفظ احادیث مع شرح مفردات، ریاض الصالحین کے ابتدائی ایک سو ابواب میں ہر باب کے شروع کی تین احادیث، اور جس باب میں ایک ہی دو حدیثیں ہوں تو ان میں کسی دوسرے باب سے ایک یا دو حدیثوں کا اضافہ کرلیا جائے۔

زمرۂ ثالثہ: ۲۶ تا ۳۰ پارے کی تفسیر، سوالات حل مفردات اور تفسیر آیات سے متعلق ہوں گے۔

مسابقہ میں حصہ لینے کے لئے شرائط حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جن مدارس میں عالمیت تک تعلیم ہوتی ہو وہاں کے طلبہ مسابقہ میں حصہ لے سکتے ہیں، البتہ جو ندوۃ العلماء کی شاخیں ہیں ان کے لئے عالمیت کی شرط نہیں ہے، وہاں کے طلبہ بغیر کسی شرط کے حصہ لے سکتے ہیں۔

۲۔ ہر مدرسہ کے دو طالب علم شریک ہوسکتے ہیں، اور دونوں میں سے جو کسی زمرہ میں حصہ لے گا وہ دوسرے زمرے میں حصہ نہیں لے سکتا۔

۳۔ کسی زمرہ میں نام درج کرانے کے بعد زمرہ کی تبدیلی نہیں ہوگی۔

۴۔ ہر طالب علم کے لئے اپنے مدرسہ کا تصدیق نامہ پیش کرنا ضروری ہے۔

۵۔ پہلے زمرہ میں صرف وہی طلبہ شریک ہوں گے جو ۱۸ سال سے زیادہ کے نہ ہوں۔

۶۔ حصہ لینے والے تاریخ مسابقہ سے ایک روز قبل جامعہ پہنچ جائیں۔

۷۔ سفر سے ایک ہفتہ قبل طالب علم کے متعلق تفصیلات، تصدیق نامہ، اور زمرہ کی تعیین وغیرہ جامعہ کو پہنچ جانا چاہیئں۔

۸۔ حصہ لینے والوں کی وضع قطع اسلامی ہونا لازمی ہے۔

۹۔ حکم حضرات کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا۔

جس مدرسہ کے طلبہ مسابقہ میں حصہ لے رہے ہوں ان کا جواب تاریخ مسابقہ سے دو ہفتہ قبل پہنچنا ضروری ہے۔

کل ہند رابطۂ مدارس کانفرنس

یہ کانفرنس جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور کرناٹک کی طرف سے مورخہ ۲۳ تا ۲۵ اپریل ۲۰۰۳ء کو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی زیر صدارت منعقد ہو رہی ہے، اس میں مدارس کے ذمہ داران شریک ہوں گے۔ جن کو دعوت نامہ نہ پہنچے وہ اسی کو دعوت نامہ تصور کرتے ہوئے شریک ہوسکتے ہیں۔

پتہ درج ذیل ہے:

Janab Maulana Ubaidullah Nadwi
Nazim Jamia Ziyaul Uloom Main Road
Post:Kandloor Taluk. Kundapur
(Karanataka)576240
Ph.&fax:08254-747882

بمبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے

ممبئی کے قارئین تعمیر حیات سے گذارش ہے کہ تعمیر حیات کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے معاملہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
Tea Merchants
44, Haji Building, S.V. Patel Road,
Null Bazar, Mumbai 400 003
Tele Add Cupkettle
Tel 23460220, 23468708
Tel (R) 3095852

۱۲ نمبر اور ۱۲×۷ کی اسپیشل چائے استعمال کیجئے

بفضلہ تعالیٰ

بہترین مٹھائیوں اور بیکری مصنوعات سے وابستہ نام

سلیمان عثمان

چند خاص مصنوعات: افلاطون، ڈرائی فروٹ برفی، ڈرائی ڈیٹ برفی، انجیر پاک، اخروٹ پاک، انڈا پاک، بادام کا زعفرانی حلوہ، بادامی حلوہ، سوہن حلوہ، بادامی سوہن حلوہ، کاجو تھلی، کاجو رول، ملک کیک، ان کے علاوہ کاجو بسکٹ اور دیگر کئی قسم کے بسکٹ خستہ نان خطائیاں۔

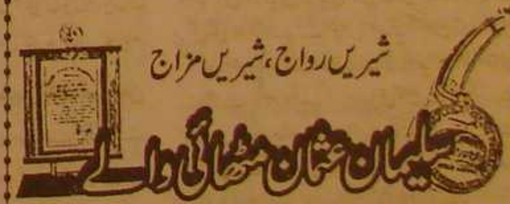

شیریں رواج، شیریں مزاج

سلیمان عثمان مٹھائی والے

۱۶۷، ابراہیم مرچنٹ روڈ بمبئی۔۲ فون: 23750059, 237557966

سلیمان عثمان بیکری: ۳۳، محمد علی روڈ نزد چونا بھٹی مسجد بمبئی۔۳ فون 23717842

سوال وجواب

محمد طارق ندوی

س: بدن کے جن حصوں کا نماز میں چھپانا فرض ہے ان میں سے کسی کا چوتھائی حصہ اتنی دیر تک کھلا رہے جتنی دیر میں تین بار سبحان اللہ کہہ سکتے ہیں تو کیا نماز درست ہوجائے گی؟

ج: بدن کے جن حصوں کا نماز میں چھپانا فرض ہے ان میں سے کسی چوتھائی حصہ اتنی دیر تک کھلا رہے جتنی دیر میں تین بار سبحان اللہ کہا جاسکے، یا اُسی حال میں ایک رکن ادا کرلیا جائے تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

س: نماز کی حالت میں پنکھے یا آستین سے ہوا لینا کیسا ہے؟

ج: عمل کثیر نہ ہونے کی صورت میں مکروہ ہے۔ اور اگر عمل کثیر ہو تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

س: مسبوق سجدہ سہو میں امام کی موافقت کرے یا نہیں؟

ج: مسبوق جس کو ابھی نماز کی تکمیل کرنا ہے سجدۂ سہو میں امام کی اتباع کرے اس کے بعد اپنی نماز پوری کرے۔

س: ایک شخص مغرب کی تیسری رکعت میں شامل ہوا اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد دو رکعتیں متواتر پڑھ لیں (درمیان میں دوسری رکعت کے بعد قعدۂ اولیٰ نہ کیا) اور سجدہ بھی نہ کیا۔ تو اس صورت میں نماز کا اعادہ واجب ہوگا یا نہیں؟

ج: صورت مسئلہ میں نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ کیونکہ ترک واجب سے نماز کا اعادہ واجب ہوتا ہے۔

س: اگر عشاء کی تیسری رکعت میں امام نے قرأت بالجہر سہواً کیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

ج: سجدہ سہو کرنا واجب ہوگا کیونکہ جہر کی جگہ سراً پڑھنے سے یا سراً کی جگہ جہراً پڑھنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

س: ایک آیت سجدہ اگر ایک ہی مجلس میں کئی بار پڑھی جائے تو صرف ایک بار سجدہ واجب ہوتا ہے یا متعدد بار؟

ج: ایک آیت سجدہ اگر ایک ہی مجلس میں متعدد بار پڑھی جائے تو صرف ایک سجدہ واجب ہوتا ہے۔ متعدد سجدے واجب نہیں ہوتے ہیں۔

س: کیا اگر کوئی شخص جوتا پہن کر نماز پڑھے۔ تو جوتا اور جگہ دونوں پاک ہونا چاہئے؟

ج: ہاں اگر جوتا پہن کر نماز پڑھے تو جوتے اور جگہ دونوں پاک ہونا ضروری ہے اور اگر جوتے پیر سے نکال دئے جائیں اور اس پر کھڑے ہوں۔ تو صرف جوتے کا پاک ہونا ضروری ہے۔

س: کیا نماز میں ادھر ادھر دیکھنا مکروہ ہے؟

ج: نماز میں چہرہ کو پھیر کر دائیں بائیں دیکھنا مکروہ ہے، اگر کنکھیوں سے ضرورۃً ایسا کرے۔ تو مکروہ نہیں ہے۔

س: کیا مقتدی صف میں جگہ ہونے کے باوجود پیچھے کھڑا ہوسکتا ہے؟

ج: مقتدی کو صف میں جگہ ہونے کے باوجود پیچھے نہیں کھڑا ہونا چاہئے۔ جگہ ہونے کی صورت میں تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے اگر جگہ نہ ہو تو مفتی بہ قول یہ ہے کہ تنہا کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ اگلی صف سے ایک شخص کو اپنے ساتھ کھڑا کرے مگر اس شخص کو اس مسئلہ سے واقفیت ہو ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی نماز فاسد کر بیٹھے۔

س: اگر کوئی آیت سجدہ نماز میں پڑھے اور فوراً رکوع کرے۔ تو سجدۂ تلاوت ادا ہوجائے گا یا نہیں؟

ج: اگر کوئی آیت سجدہ نماز میں پڑھنے کے بعد فوراً سجدہ تلاوت کی نیت کرتے ہوئے رکوع کرلے۔ تو سجدۂ تلاوت ادا ہوجائے گا۔ ادائیگی کے لئے نیت ضروری ہے بغیر نیت وجوب ساقط نہ ہوگا۔

س: ایک شخص فرض نماز پڑھ کر دوسری مسجد پہنچا وہاں لوگوں کے اصرار پر فرض نماز پڑھادی۔ تو کیا مذکورہ صورت میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟

ج: صورت مسئولہ میں مقتدیوں کی نماز درست نہیں ہوئی کیونکہ امام نے فرض نماز پڑھ لی تھی اور یہ اس کی نماز نفل تھی اور متنفل کے پیچھے پڑھنے والے کی نماز درست نہیں ہوتی ہے۔

اخبار وافکار

ڈاکٹر محمود ایچ رحمانی کے شفا آئی ریسرچ سینٹر کا افتتاح

۹رفروری اتوار کو کانپور میں چمن گنج میں چوڑی والی مسجد کے قریب امراض چشم کے ماہر ڈاکٹر محمود ایچ رحمانی شفا آئی ریسرچ سینٹر اسپتال کا افتتاح مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی صاحب نے کیا، ایک پُر وقار تقریب میں موصوف نے ڈاکٹر رحمانی کی صلاحیتوں اور ان کی کارگذاریوں کو سراہا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ایک دوسرے کی خدمت کرتے رہنا چاہئے، خدا نے جانوروں تک کی تکلیف دور کرنے والوں کو جنت میں جگہ دی ہے، انہوں نے ڈاکٹر رحمانی کے ذریعہ نابینا لوگوں میں مفت آنکھوں کی پیوندکاری کے اقدام کی تعریف کی اور کہا کہ یہ انتہائی نیک کام ہے، اس میں سبھی کو تعاون کرنا چاہئے۔ اس موقع پر بولتے ہوئے کمشنر کانپور محمد علی خاں نے بھی ڈاکٹر رحمانی کے کام کی ستائش کی اور یقین دہانی کرائی کہ وہ آنکھوں کے ڈونیشن کے معاملہ میں آرہی پریشانیوں کو حتی الامکان حل کرانے کی کوشش کریں گے۔ شہر کے قاضی مفتی منظور احمد مظاہری صاحب نے کہا کہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ آنکھوں کے ساتھ دل بھی اندھا ہوتا ہے، دل کا اندھا پن اللہ اور رسول کریمؐ کی ہدایت سے دور کیا جاسکتا ہے، لیکن آنکھوں کا اندھا پن اچھا ڈاکٹر ٹھیک کرتا ہے۔ انھوں نے ڈاکٹر محمود رحمانی کے ذریعہ بلا تفریق مذہب وملت غریبوں کی خدمات کو انتہائی نیک کام بتاتے ہوئے، ان کی تعریف کی ارشاد مرزا نے ڈاکٹر محمود رحمانی کو ہر طرح کا تعاون دینے کا وعدہ کیا، ڈاکٹر رحمانی نے بتایا کہ اللہ کے فضل وکرم سے وہ آج ۱۷رسالہ سفر کے بعد اس مقام پر پہنچے ہیں

(سیاست جدید کانپور)

مدرسہ ابوالحسن علی امینیہ (پرتاب گڑھ) میں ناظم ندوۃ العلماء کا خطاب

بھائی عبدالمعید صاحب کی دعوت پر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا سید واضح رشید ندوی پرتاب گڑھ میں مدرسہ مولانا ابوالحسن علی ندوی امینیہ تشریف لے گئے اور وہاں مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا اور خطاب فرمایا، انہوں نے شکر واحسان مندی کی طرف خاص توجہ دلائی اور کہا کہ اللہ کا شکر گذار بندہ بننا چاہئے، اللہ کا شکریہ ہے کہ اس کی مرضی کے مطابق زندگی گذاری جائے، یہ طاقت اور بہت ساری صلاحیتیں اللہ کی ہی دی ہوئی ہیں، ان کا استعمال ایسا ہونا چاہئے جیسا اللہ چاہتا ہے، اور اللہ کی چاہت بغیر علم کے معلوم نہیں ہوسکتی، انہوں نے اپنی تقریر میں فکر آخرت کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی۔

یہ مدرسہ ۶رجنوری ۲۰۰۲ء سے مولانا عبداللہ حسنی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء کی نظامت اور مولوی محمد شعیب ندوی کے اہتمام میں اپنا کام انجام دے رہا ہے۔

سلون میں مدرسہ اسلامیہ امدادیہ کے افتتاحی پروگرام میں مولانا مدظلہ کی تقریر

سلون رائے بریلی ضلع کا ایک ایسا مردم خیز قصبہ وتحصیل ہے جو کم از کم علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث مولانا حکیم عطاء صاحب وہیں کے باشندہ تھے، حاجی امداداللہ مہاجر مکی صاحبؒ کے سلسلہ کے ایک بزرگ مولانا شاہ محمد عمر صاحب نے مدرسہ اسلامیہ امدادیہ قائم کیا تھا، ان کی وفات کے اب ایک عرصہ گذرنے کے بعد ان کے صاحبزادگان ڈاکٹر محمد طیب اور ڈاکٹر خطیب صاحب نے ازسرِ نو اس کے نظم ونسق کی فکر کی اور مولانا مرحوم کے پوتے مولوی رشید صدیقی ندوی کو اس کا ذمہ دار بنا کر ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو افتتاح کے لئے دعوت دی، ۱۲رذی الحجہ ۱۴۲۳ھ کو مولانا تشریف لے گئے، اور خطاب بھی فرمایا۔

انھوں نے کہا کہ اس بات کی خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو بڑی ضرورت ہے کہ انھیں اللہ کی نصرت حاصل ہو اور وہ ان کے قدم جمائے، لیکن اللہ کی نصرت اس وقت آئے گی جب ہم اللہ کی نصرت کریں گے کہ ''ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم'' اور اس کے لئے علم وواقفیت ضروری ہے کہ جس قدر یہ چیزیں حاصل ہوں گی اسی قدر ہم جان سکیں گے کہ اللہ کی نصرت کیسے کی جائے۔

''اسباب نصرت'' کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس میں سب سے اہم چیز صحت عقیدہ ہے کہ ہم سب کچھ اللہ کے قبضۂ قدرت اور اس کے اختیار کامل میں جائیں اور یہ کہ سب کچھ اسی کا بنایا ہوا اور پیدا کیا ہوا ہے، اور جو کچھ ہورہا ہے، اسی کے بنائے ہوئے نظام کے تحت ہورہا ہے، تو اس کی فکر بہت ضروری ہے، اس کے لئے چھوٹے دینی مکتب کے قیام کو ہر ہر محلہ، علاقہ، گاؤں، شہر کے لئے ضروری قرار دیا۔

علم کے متعلق انہوں نے کہا کہ یہ دو ہیں ایک وہ کہ جس کے بغیر اللہ کو راضی نہیں کیا جاسکتا، ہمیں اسی ضروری علم کی فکر کرنی ہے کہ کوئی بھی اس

سے محروم نہ رہنے پائے، دینی مدارس کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ جس طرح ہر علاقہ میں اسپتال کی ضرورت ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ علمی ودینی شفاخانوں، روحانی اسپتالوں کی ضرورت ہے کہ جیسے جسم کو علاج کی ضرورت ہوتی ہے ویسے ہی روح کو بھی پڑتی ہے، انھوں نے اور واضح کرتے ہوئے کہا کہ مسلم حکومت میں دینی ضرورتوں کو پورا کرنے کا فکر وخیال رکھا جاتا تھا، لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ سیکولر اسٹیٹ ایسا کرے گی، کہ یہ نظام حکومت لادینی ہے، اس لئے اس سلسلہ میں ساری فکر وتعاون ہمیں آپ کو ہی دینا ہوگا۔

مولانا کی تقریر سے پہلے مدرسہ کی افادیت اور عقیدہ کی اہمیت پر مولانا عبداللہ حسنی صاحب نے تشفی بخش اور پُر زور خطاب کیا، پروگرام کا اختتام سنگِ بنیاد رکھے جانے اور حضرت مولانا مدظلہ کی دعا پر ہوا۔

جمعیۃ الاصلاح کی سرگرمیاں

طلباء کی انجمن جمعیۃ الاصلاح کے اراکین وعہدیداران کا انتخاب عمل میں آتے ہی اس کی علمی وثقافتی سرگرمیاں شروع ہوچکی ہیں، اس کی افتتاحی بزم، ہفتہ واری خطابت وبزم سلیمانی کے علاوہ دیگر پروگرام بھی ہورہے ہیں، جن میں پروفیسر ضیاء الحسن صاحب پر تعزیتی جلسہ اور یوم جمہوریہ کی مناسبت سے ایک مشاعرہ کا انعقاد بھی ہوچکا ہے، یہ جمعیۃ اپنے سرپرست واساتذہ کی نگرانی میں اپنے علمی وثقافتی امور انجام دے رہی ہے، جمعیۃ الاصلاح کے اراکین نے امسال اتفاق رائے سے سید عطاء اللہ بنگلوری کو سکریٹری منتخب کیا ہے، ان کے نائب محمد راشد مظفرنگری اور نائب صدر محمد اسلم غازیپوری ہیں، جمعیۃ کے صدر حضرت مہتمم صاحب ہوا کرتے ہیں، چنانچہ صدر جمعیۃ مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے جمعیۃ کی ابتدائی نشست میں فرمایا کہ الاصلاح ایک تربیتی اور تنظیمی ادارہ ہے، اس کے جملہ نظم ونسق کی ذمہ داری طلبائے دارالعلوم پر عائد ہوتی ہے، وہ چاہیں تو اس ادارہ سے اپنی تعلیم اور مطالعہ کا حاصل تقریر وتحریر کی شکل میں اہل علم کے سامنے اس طرح پیش کرسکتے ہیں کہ دوسروں کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ ہو، انھوں نے مزید کہا کہ تمام طلباء کے لئے اس کے فائدہ کی عمومیت کا جذبہ الاصلاح کے ذمہ داروں اور عہدہ داران وارکان کے دلوں میں موجزن ہونا چاہئے، ان کو یہ باور کرانا چاہئے کہ وہ الاصلاح کے ذریعہ ان کے روشن مستقبل کی تمنا رکھتے ہیں، جمعیۃ کے دیگر اہم برموں (خطابت، سلیمانی، جوہر، ثقافت، صحافت) کے عہدہ داران بالترتیب حسب الدین محمد ارشد، ظہیر عالم، ملک فیروز احمد، نسیم الریاض اور سید معاذ حسنی محاسب منتخب ہوئے۔

النادی العربی کا افتتاح

سال رواں میں طلبہ کی عربی کی انجمن النادی العربی کی سرگرمیاں بحمد اللہ شروع ہوچکی ہیں، انجمن کے سکریٹری سعید اللہ متعلم علیا ثانیہ شریعہ منتخب ہوئے، اس کا ایک افتتاحی جلسہ حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء کی زیر صدارت منعقد ہوا، جس میں آپ نے عربی زبان وادب کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ تعلیمی وتدریسی لیاقت وصلاحیت کے ساتھ انجمن کی سرگرمیاں بہت ہی مفید ہیں، کیونکہ ان کے ذریعہ تعلیم میں مزید چمک پیدا ہوتی ہے، مولانا نے فرمایا کہ عربی کو قرآن وحدیث کی زبان ہونے کے ناطے ہر مسلمان کا سیکھنا لازم ہے، کیونکہ اس کے بغیر وہ شریعت کی تعلیمات کو کماحقہ نہیں سمجھ سکتا ہے، حضرت مہتمم صاحب نے طلباء کو یاس وقنوطیت سے دور رہنے نیز دارالعلوم کے مہیا کردہ وسائل سے استفادہ کی تلقین کی، محمد اعظم جمشید پوری امین اللجنۃ الخطابیۃ، ظہیر احمد بشیر احمد امین اللجنۃ الثقافیۃ اور جنید اکبر متعلم علیا ثانیہ ادب نائب سکریٹری النادی العربی منتخب ہوئے۔

☆☆☆

بیرون ممالک میں ہمارے نمائندے

جناب طارق حسن عسکری
P.O. Box No. 3040,
Madina Munawwara, (K.S.A.)

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی
Oxford Center for Islamic Studies,
George Street, Oxford Ox1 2AR

جناب محمد یحییٰ ھلو ندوی
P.O. Box. No. 388, Vereninging (S. Africa)

قاری عبدالحمید ندوی
P.O. Box. No. 12525, Dubai (U.A.E.)

جناب محمد خالد ندوی
P.O. Box. No. 51625, Dubai (U.A.E.)

ڈاکٹر آفتاب عالم ندوی
P.O. Box. No. 1513, Doha, Qatar

ڈاکٹر اے ایم صدیقی
98-Conklin Ave. Woodmere,
New York 11598 (U.S.A.)

شرائط ایجنسی

۱-پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲-فی کاپی پندرہ روپے کے حساب سے زر ضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳-کیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱-فی کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ چالیس روپے۔
۲-فی کالم فی سینٹی میٹر پشت پر رنگین صفحہ پچاس روپے۔
۳-کیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا۔
۴-اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔
۵-انٹرنیٹ اور تعمیر حیات دونوں کا نرخ اشہار فی کالم فی سینٹی میٹر اسی روپے۔

خط وکتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام وپتہ ضرور لکھیں، اگر جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں۔
مضمون نگار کے خیالات سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (منیجر)

Resi : 2268177
Mobile : 9415002535
Shop : 2213736
2500667

سونے اور چاندی کی دنیا میں ۷۵ رسالہ دیرینہ نام

حاجی صفی اللہ جیلرس

ہمارا نیا شوروم

گڑبڑجھالہ کے سامنے امین آباد لکھنؤ

پروپرائٹر : محمد اسلم

Haji Safiullah
Jewellers

Opp. Gadbad Jhala, Aminabad, Lucknow.-18

Shop: 260890
Resi: 269562

MOHD. IRFAN
PROPRIETOR

NEW KAREEM JEWELLERS

نیو کریم جیلرس

دوکان نمبر ابلد مارکیٹ ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ لکھنؤ

مئو کا بنا تیز اثردار افضلس نورانی تیل

لیبل وکیپ پر AFZALS
اور MAU CITY دیکھ کر خریدیں

بدن کے ہر قسم کے درد، زخم، چوٹ، ورم، سوزش کے امراض نیز چوں کی بہت سی بیماریوں مثلاً خلاف، فتق کھانسی، نزلہ وزکام وغیرہ میں مجرب ومفید ہے۔

INDIAN CHEMICAL CO. NEW CHEMICAL CO.
Mau Nath Bhanjan- Mau- 275101 (U.P.)

91-512-2462039
2462311
Resi: 2451177

Paradise

LEATHER FINISHERS

Manufacturers & Suppliers Of Finished Leather & Leather Goods

MIG-37,K.D.A.Colony,Jajmau KANPUR-208010

E-Mail:
• PLFsajid@Radiffmail.com
• PLFsajid1@ Datainfosys.net

زمانہ کو اسلام سے آگہی کی ضرورت ہے

اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر میں پرنس چارلس کا خطاب

جناب عبدالعلیم قدوائی

۲۴ رجنوری ۲۰۰۳ء کو انگلستان کے مایہ ناز علمی وتحقیقی اسلامی ادارہ اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر کی نئی عمارت کا افتتاح ولی عہد انگلستان شاہزادہ چارلس نے کیا، اس موقعہ پر شہزادہ موصوف نے جو تقریر دل پذیر فرمائی وہ اس قابل ہے کہ اس کی نشر واشاعت پوری طرح سے کی جائے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو بے بنیاد اور غلط الزامات لگائے جاتے ہیں اور ان کی پیش بہا علمی خدمات کو ٹھکانے کی کوشش دشمنوں کی طرف سے کی جارہی ہیں، ان کی کما حقہ تردید ہوجائے، چنانچہ موصوف کی تقریر کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

اس ضمن میں ایک خاص بات اور قابل ذکر ہے، شہزادہ چارلس کا تعارف انسٹی ٹیوٹ کے ایک لکھنوی طالب علم محمد خالد ندوی سے کرایا گیا جو ندوۃ العلماء کے فارغ ہیں، موصوف نے ان سے ندوہ کے بارے میں بھی کچھ سوالات کئے، اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو بھی خاص تعلق تھا، چنانچہ وہ دو تین مرتبہ وہاں تشریف لے گئے اور تقریر فرمائی، نیز حضرت مولانا کی چار کتابوں کا انگریزی ترجمہ بھی فاؤنڈیشن نے شائع کیا ہے۔ (مترجم)

''خواتین وحضرات! مجھے یہاں آکر بڑی خوشی ہوئی ہے کیوں کہ عرصہ سے میری تمنا تھی کہ اس نامور ادارہ کو جاکر دیکھوں جہاں نہ صرف علمی تحقیق اور تصنیف وتالیف کا کام ہورہا ہے بلکہ غیر مسلموں کے سامنے اسلامی تعلیمات اور مختلف مذاہب کے باہمی تعلقات اور روابط کو بڑے اچھے ڈھنگ سے پیش کیا جارہا ہے، خاص کر یہاں کے سماجی کارکنوں، پولیس افسروں اور لوکل اتھارٹی کے ملازمین (جن کا روز سابقہ برطانوی مسلمانوں سے پڑتا رہتا ہے) کے سامنے ان کی تمدنی وتہذیبی خدمات کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے جس سے یگانگت اور شگفتہ تعلقات میں اضافہ ہوتا ہے اور فریقین کو ایک دوسرے کے بارے میں صحیح معلومات فراہم کی جاتی ہیں، اس طرح یہ فاؤنڈیشن بڑی مفید خدمت انجام دے رہا ہے، مسلمانوں کو جغرافیہ اور دیگر موضوعات سے دلچسپی رہی ہے، اور ان دائروں میں انھوں نے بڑی قابل قدر ترقی کی ہے، مثلاً یورپ کی ثقافۃ ثانیہ میں مسلمانوں کے مثبت کردار کو کون بھول سکتا ہے، گنتی کے عربی اعداد، صفر کا عملی تصور یورپ کو مسلمان حساب دانوں نے دیا، اسکول جانے والے بچوں کو محمد الخوارزمی کا خاص طور پر ممنون ہونا چاہئے جنھوں نے الجبرا پر اپنی مشہور کتاب نویں صدی میں لکھی اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس کتاب کا لاطینی زبان میں ترجمہ ۱۱۴۵ء میں ہوا، اسی طرح اگر ان مسلمان جہاز رانوں کا تجربہ اور رہنمائی نہ حاصل ہوتی جنھوں نے واقعتاً بحر اوقیانوس کو بار بار پار کیا تو شاید کولمبس نئی دنیا کی دریافت کبھی نہ کرسکتا۔

جب سے جزائر برطانیہ میں مسلمان رہنے اور بسنے لگے، برمائنگھم جیسی فیشن ایبل جگہ میں انیسویں صدی عیسوی کے شروع میں خسلخانے اور شمپو کرنے کی جگہیں نظر آنے لگیں، فریڈرک اکبر محمد جو باضابطہ علاج معالجہ کے ڈاکٹر تھے، کے سر بلڈ پریشر ناپنے کی پہلی مشین کی ایجاد کا سہرا ہے جو ۱۸۷۰ء میں گائی کے اسپتال میں استعمال کی جارہی تھی۔ اسی طرح اپنے شہر لیورپول میں مشہور قانون داں اور سیاح ولیم ہنری قولیم نے پہلا مسلم اسکول اور یتیم خانہ قائم کیا، خود میرے خاندان نے اسلامی علوم سے فائدہ اٹھایا، ملکہ وکٹوریہ جو میری محترم بزرگ خاندان تھیں، کو ان کے گھر کے ایک ہندوستانی ملازم حافظ عبدالکریم نے ہندوستانی زبان فارسی رسم الخط میں پڑھائی جس سے ان کو خاص شغف تھا۔

جب اوتھر ہام کے لارڈ احمد کو ہاؤس آف لارڈس کا رکن بنایا گیا تو یہاں کی مسلم آبادی نے اس کا بڑا خیر مقدم کیا، ان کے بعد سوسال ہوئے ایڈرلی کے ایک نومسلم لارڈ اسمتھلی کو اور زیادہ شہرت حاصل ہوئی، اسی طرح ۱۹۱۳ء میں لارڈ ہیڈلے نے جب اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تو انہیں غیر معمولی عزت ملی، اس طرح ہمارے برطانوی سماج کے علمی اور معزز حلقوں میں مسلمانوں کا حصہ لینا کوئی نئی بات نہیں بلکہ اس کی تشہیر کرنا چاہئے، اس موقعہ پر ہمیں ان سینکڑوں مسلمانوں کو بھی یاد کرنا چاہئے جنھوں نے تاج برطانیہ کے لئے پچھلی دو بڑی لڑائیوں میں اپنی جانوں کی قربانی دی، برطانوی جہازوں پر جن مسلم بہادروں نے جان دی ان کی یادگار لندن ٹاور ہل کے مرچنٹ میموریل میں موجود ہے۔

ایسے بیش قیمت ورثہ رکھنے والی جماعت کی اعلیٰ تعلیم کے لئے مارک فیلڈ انسٹی ٹیوٹ کی نئی عمارت کا افتتاح کرتے ہوئے مجھے بڑی خوشی ہورہی ہے، اسلامک فاؤنڈیشن کا اصل مقصد اعلیٰ درجہ کے عالمانہ ذوق کو عام کرنا ہے جو اس کے بانی چیئرمین اور آج کی تقریب کے میزبان پروفیسر خورشید احمد کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے، مجھے یقین ہے کہ مارک فیلڈ کی یہ درسگاہ خاص کر اس کی بہترین لائبریری اسلام اور مسلم دنیا کی پوسٹ گریجویٹ تعلیم کا درخشاں مرکز ثابت ہوگی اور لیسٹر کے لئے ایسی دانش گاہ کا ہونا بڑے فخر اور امتیاز کی بات ہے، آج سے زیادہ اسلام کے بارے میں مطالعہ اور جاننے کی ضرورت کبھی نہیں پڑے گی، اور اسی لئے مجھے امید واثق ہے کہ اسلامک فاؤنڈیشن اور اس کا اعلیٰ تعلیم دینے والا مارک فیلڈ انسٹی ٹیوٹ اسلامی علم ودانش کا مغرب میں مثالی مرکز ثابت ہوگا، جس کی تقلید کرنا دوسروں کے لئے فخر کا باعث ہوگا۔ میں دلی مسرت کے ساتھ اس نئی عمارت کا افتتاح کرتا ہوں۔'' ☆